ضیا فتح آبادی
ذکرِ سیماب
علامہ سیماب اکبر آبادی

سیماب جنم صدی تقریبات کمیٹی کی پیشکش

ذکرِ سیماب

علامہ سیماب اکبرآبادی کا سوانحی خاکہ

ضیا فتح آبادی

مصنف و مرتب : ضیا فتح آبادی

جے ۵/۲۱ راجوری گارڈن نئی دہلی ۱۱۰۰۲۷

ناشر : رادھا کرشن سہگل

سیکریٹری بزمِ سیماب دہلی

جے ۵/۱۲ راجوری گارڈن نئی دہلی ۱۱۰۰۲۷

سنہ اشاعت: بار اوّل جنوری سنہ ۱۹۸۴ء

خوش نویس: عبد الحفیظ حافظ

مطبع : خواجہ پریس دہلی

قیمت: پندرہ روپے

ملنے کے پتے

۱ بزمِ سیماب جے ۵/۱۲ راجوری گارڈن نئی دہلی ۱۱۰۰۲۷

۲۔ مکتبہ "نشانِ ہند" ۸۔ انصاری مارکیٹ، دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

۳۔ مکتبہ "شاعر" پوسٹ بکس ۴۵۲۶ بمبئی ۴۰۰۰۰۸

ماہرِ غالبیات
علّامہ مالک رام
کے نام

فہرست

پیش لفظ

سوانح نگاری ایک فنِ لطیف ہے جس سے میں بخوبی بہرہ ور نہیں تو بھی کچھ بڑے لوگوں کے قلم سے لکھے گئے بڑے لوگوں کے سوانح حیات میری نظر سے گزر چکے ہیں۔ اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ عظیم شخصیتوں کے سوانح حیات کی وہی حیثیت ہے جو ریگزاروں سے گزر جانے والے کامیاب کارواں کے نقوشِ پا کی ہوتی ہے۔ سبھی جانتے ہیں کہ پیشروؤں کے نقشِ قدم پر عمل کر کے پس ماندہ صحیح منزل کا نشان پا لیتے ہیں۔ اسی افادیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے زمانہ ملازمت میں ہی یہ خیال میرے ذہن کے ایک گوشے میں جاگزیں ہو چکا تھا کہ اُستادِ محترم حضرت علامہ عاشق حسین سیمابؔ اکبرآبادی کے سوانح حیات حیطۂ تحریر میں لانے چاہئیں۔ موصوف کے مختصر واقعات زندگی تو اکثر و بیشتر رسائل و جرائد اور تذکروں میں شائع ہو چکے تھے مگر کوئی ایسا بھرپور جائزہ اُن کی زندگی کے گوناگوں گوشوں کا نہیں لیا گیا تھا جو ایک مجموعی تاثر پیدا کرتا اور جس سے علامہ کی شخصیت، کردار اور فن کو مکمل طور پر سمجھنے میں آسانی ہوتی۔

۱۹۷۱ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو کر سب سے پہلا کام میں نے

نے یہ کیا کہ شاعر اور دیگر رسائل کے ان تمام شماروں کی بغور ورق گردانی کی
جو میرے ریکارڈ میں موجود تھے اور ان میں جو مواد سیمابؒ سے متعلق نظر
آیا اسے میں نے الگ کاغذ پر نقل کر لیا۔ علاوہ ازیں میں نے ذاتی لائبریری کی
کتابوں کو بھی کھنگالا اور جہاں جہاں مجھے سیمابؒ کے تعلق سے کوئی واقعہ
بیان یا اشارہ ملا اسے بھی محفوظ کر لیا۔ پھر میں نے اپنے چند احباب اور
تلامذۂ سیمابؒ سے زبانی یا بذریعہ خط رابطہ قائم کیا اور وہ معلومات حاصل
کیں جو ان کے ذہنوں میں یا ان کے پاس موجود کتابوں، رسالوں وغیرہ میں بکھری
پڑی تھیں۔ یہ کام بہت بڑا اور صبر آزما تھا۔ اگر حیاتِ سیمابؒ کا وہ قلمی نسخہ
جو سیماب کی زیرِ ہدایت ان کے ایک شاگرد نے لکھا تھا مجھے مل جاتا تو غالباً
میری مشکل بڑی حد تک آسان ہو جاتی۔ مگر افسوس کہ وہ نسخہ اعجاز صدیقی
سے راز چاندپوری کے پاس پہنچا اور پھر معلوم نہ ہو سکا کہ کہاں گیا۔

دراصل ذکرِ سیمابؒ کا مسودہ میں نے ۱۹۷۴ء میں کم و بیش مکمل کر لیا
تھا اور سیماب اکیڈمی بمبئی نے اپنے قیام کے وقت زیرِ اشاعت کتابوں میں
اس کا اعلان بھی کر دیا تھا مگر کچھ ایسی ناگزیر اور ناگوار باتیں پیش آئیں کہ میرا
دل بجھ سا گیا اور میں نے اس کام کو ادھورا چھوڑ دیا۔ ۱۹۸۱ء میں جب میں
غیر مسلم اُردو مصنفین کانفرنس میں شرکت کے لئے لکھنؤ گیا اور مجھے وہاں
دو تین مہینے اپنے لڑکے کے پاس رہنا پڑا تو میرے لڑکے نے مجھے یاد دلایا کہ
۱۹۸۲ء میں سیمابؒ کا سواں یوم ولادت ہے اور اس یادگار موقع پر مجھے
بھی کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے ذکرِ سیمابؒ کو مکمل کرنے کا فیصلہ اور

اس کی اشاعت کا اعلان کردیا۔ سیمابؒ کے ایسے خطوط کو جو انھوں نے مجھے لکھے تھے اور میرے پاس محفوظ رہ گئے تھے "سیماب بنام ضیا" کے نام سے کتابی صورت میں پہلے ہی شائع کرچکا تھا۔ اس بیچ میں مجھے چھ مہینے کے لئے لندن جانا پڑا۔ وہاں سے واپس ہوا تو میں نے "ذکرِ سیماب" کا مسودہ نکال کر اُس پر نظرِ ثانی کی۔ اس کتاب کا جو خاکہ میرے ذہن میں تھا اور جس ڈھنگ سے میں اسے پیش کرنا چاہتا تھا خرابیِ صحت اور ضعفِ بصارت کی وجہ سے ویسا تو نہیں کرسکا تاہم مسرور ہوں کہ میں نے حیاتِ سیماب سے متعلق تمام اہم واقعات کو اکٹھا اور محفوظ کردیا ہے آئندہ کوئی شخص اُن کے سوانح حیات کو مکمل کرنا چاہے گا تو میں سمجھتا ہوں اس کتاب سے اس کو کافی مدد ملے گی۔

میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ مسودہ مکمّل کرنے کے بعد میں نے اس کام کو ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ ہوا یہ کہ جب میں نے متعلقین سیماب سے معلومات حاصل کرنی چاہیں تو انہوں نے میرا ارادہ سمجھ کر مجھ سے سوال کیا کہ جب مجھے علامہ کے قریب رہنے کا کبھی کوئی موقع ہی نہیں ملا تو میں ان کی زندگی کے بارے میں کیا جان اور لکھ سکتا ہوں۔ یہ ایک عجیب سوال تھا جس کی وجہ سے میرا بددل ہوجانا قدرتی امر تھا۔ حالانکہ میں نے جواب میں لکھ دیا تھا کہ میں سیمابؒ کے بارے میں جو باتیں جانتا ہوں شاید وہ باتیں انہیں بھی معلوم نہ ہوں۔ بس کچھ اس قسم کی واجب و ناواجب باتوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے میں نے حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ حوالہ جات بھی درج کردیے ہیں اور یہ حوالے بیشتر ایسے ہیں جنہیں معتبر سمجھنا ہی پڑتا ہے۔ میں نے دانستہ

ایسے حوالے حاشیہ میں دینے کی جگہ متن میں دے دیئے ہیں تاکہ کتابت وغیرہ میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہ ہونے پائے۔

سیمابؒ کی ولادت کو سو سال اور وفات کو ۳۱ برس ہوتے ہیں۔ جب کسی فن کار کا جشن یا صدی منائی جاتی ہے تو اس کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ اُس فنکار کی شخصیت اور تخلیقات کا از سرِ نو جائزہ لے کر فیصلہ کیا جائے کہ اس کا ادبی معیار کیا ہے اور تاریخ ادب میں اس کے فن کا کیا مقام ہے۔ سیمابؒ جو کچھ چھوڑ گئے ہیں وہ ایسا تو ہے ہی کہ جس کی وجہ سے تاریخ ادب ان کے نام کے بغیر مکمل نہیں کہی جا سکتی تو بھی اب وقت آ گیا ہے کہ ان کی تصنیفات و تالیفات کا دوبارہ گہری اور غیر جانبدارانہ نظر سے مطالعہ کیا جائے اور ان کو وہ مقام دیا جائے جس کے وہ صحیح طور سے مستحق ہیں۔ اگر "ذکرِ سیماب" پڑھنے والوں کو کلام سیمابؒ پڑھنے کی تحریک ہو جائے اور وہ مقام سیمابؒ متعین کر سکیں تو میں سمجھوں گا کہ میری کوشش کامیاب ہوئی۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ ان کی حیات ہی میں سیمابؒ کے بہی خواہوں سے ایک بڑی غلطی یہ ہوئی کہ انھوں نے تصویرِ سیمابؒ میں وہ رنگ بھی بھر دیئے جن سے اُس کا حسن بڑھا نہیں گھٹا ہی کیونکہ اس کوشش میں کہ سیماب کو اپنے عہد کا سب سے سر بلند ادیب و شاعر بنا کر پیش کیا جائے۔ بعض غلط بیانیاں بھی قدرتی طور سے دخل پا گئیں اور ان غلط بیانیوں نے اپنی گواہی میں کئی اور غلط بیانیوں کو راہ دی۔ ہوا یہ کہ

سیماب کی شخصیت متنازعہ فیہ بن گئی اور ان کے مخالفین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ میں نے واقعاتِ حیاتِ سیماب کے انتخاب و ترتیب میں اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ انہیں ایک گوشت پوست کے انسان کی طرح پیش کیا جائے جو وہ درِ اصل تھے۔ مجھے امید ہے کہ میری اس کوشش کو سراہا جائے گا اور اس طرح سیماب کے دشمن بھی اُن کو پڑھنے اور سمجھنے کے لئے خود کو آمادہ کر سکیں گے۔ اگر کوئی شخص اس میں سیماب کی تضحیک کا پہلو ڈھونڈ لیتا ہے تو یہ اس کی کج فہمی ہوگی۔ اگر مجھ سے پوچھا جائے تو میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو سیماب کو اپنے عہد کا سب سے بڑا شاعر سمجھتا ہے اور جسے اُس کے عیب بھی ہنر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کوئی مبالغہ نہیں۔

میں مطمئن ہوں کہ "ذکرِ سیماب" کا مسودہ گزشتہ سال بھر سے سیماب کے پوتے عزیزی افتخار امام صدیقی مدیر شاعر بمبئی کے زیرِ نظر رہا اور وہ اُسے باقساط شاعر میں چھاپنا چاہتے ہیں۔

اتنی محنت اور کوشش کے باوجود اگر "ذکرِ سیماب" میں کوئی کمی رہ گئی یا غلطی ہو گئی ہو تو اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے میں اُس کے لئے شرمندہ اور معافی خواہ ہوں۔ نشاندہی ہو جائے تو اُسے آئندہ ایڈیشن میں دور کر دیا جائے گا۔

ضیا فتح آبادی

جے $\frac{5}{21}$۔ راجوری گارڈن، نئی دہلی، ۱۱۰۰۲۷

۱۳ جولائی ۱۹۸۲ء

بھرے گی ان کو میرے بعد لاکھوں رنگ سے دُنیا
خلائیں چھوڑ دی ہیں میں نے کچھ اپنے فسانے میں

(سیماب اکبرآبادی)

ذکرِ سیماب

کہانی میری رودادِ جہاں معلوم ہوتی ہے
جو سنتا ہے اُسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے

(علامہ سیماب اکبرآبادی)

اپنی خود نوشت سوانح "شعر الحیات" (کلیمِ عجم ص ۱۶۳) میں سیماب نے اپنے والد کے علاوہ اپنے آبا و اجداد کے بارے میں کوئی تفصیلی معلومات فراہم نہیں کیں، یہاں تک کہ دادا، دادا کے بھائی، دادا کی بہن، دادی والدہ، اپنے دو بھائیوں اور دو بہنوں اور چھوٹے دادا کے فرزند (جو سیماب کی پیدائش کے وقت حیات تھے) کا ذکر تو کیا ہے مگر ان کے نام نہیں بتائے البتہ اپنے ایک بھائی صادق حسین کا نام ضرور لیا ہے۔ ایک دوسرے بیان (شاعر کا امروز نمبر جولائی ۱۹۳۵ء، ص ۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ سیماب کے مورثِ اعلیٰ (جن کے نام، پیشے، اور وطن وغیرہ کا کچھ پتہ نہیں) عہدِ جہانگیر (۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء) میں واردِ ہندوستان ہوتے۔ راز چاندپوری (ف ۱۹۶۹ء) نے "حیاتِ سیماب" (قلمی، مؤلفہ قاسم علیخاں قادری مارہروی، جسے راز نے دیکھا تھا) کے حوالے سے لکھا ہے

دو داستانے چند ص ۲۷) کہ سیماب کے مورثِ اعلیٰ شہنشاہ ہند حضرت اورنگ زیب عالمگیر (۱۶۵۸ء تا ۱۷۰۷ء) کے عہد حکومت میں بخارا سے بسلسلۂ تجارت (شال دوشالے) ہندوستان آئے تھے اور آگرہ میں قیام پذیر ہوئے تھے" اس سلسلہ میں سیمابؔ خود خطبۂ صدارت منظوم (شاعر فروری و مارچ ۱۹۳۷ء ص ۲۳) میں کہتے ہیں ؎

اسی منڈی میں اب تک سات پشتیں میری گذری ہیں
یہاں چھ سو برس سے میرے آبا کی سکونت ہے

خاندان سیمابؔ کے شجرۂ نسب کی عدم موجودگی میں سات پشتیں گزرنے والی بات پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ البتہ کہا جا سکتا ہے کہ چھ سو برس کی مدت سکونت والی بات میں شاعرانہ مبالغہ کا دخل ہے۔ اگر سیماب کے مورثِ اعلیٰ کا ہندوستان آنا مغل شہنشاہ جہانگیر اور اورنگ زیب کے دورِ حکومت (۱۶۰۵ء تا ۱۷۰۷ء) میں تسلیم کر لیا جائے تو ۱۹۳۷ء تک آگرہ میں اُن کے خاندان کی مدت سکونت کم سے کم ۲۳۰ اور زیادہ سے زیادہ ۳۳۲ برس ہو سکتی ہے اور یہ ایسی مدت ہے کہ اس میں سات پیڑھیاں گزرنے کا امکان قوی ہے۔ چھ سو برس کی مدت یوں بھی صحیح نہیں کہی جا سکتی کہ ۱۹۳۷ء (جب یہ شعر کہا گیا) میں سے اگر چھ سو برس کم کر دیئے جائیں تو باقی ۱۳۳۷ء رہتے ہیں اور ۱۳۳۷ء کا زمانہ محمد بن تغلق کی حکومت کا ہے۔

سیمابؔ کے جدِ امجد، شیخ نبی بخش صدیقی (شاعر جولائی ۱۹۳۵ء

ص ۹) خاندانی تجارت کا سلسلہ ختم کر کے گورنمنٹ پریس الہ آباد میں ملازم ہو گئے تھے (داستانِ چند ص ۲۷) اُن کا ایک چھوٹا بھائی تھا اور ایک بہن تھی۔ سیمابؔ کے والد مولانا محمد حسین صدیقی غالباً شیخ نبی بخش صدیقی کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اُن کے بارے میں سیمابؔ "شعر الحیات" (کلیم عجم ص ۶۲) میں لکھتے ہیں کہ وہ

"فاضلِ عصر اور عالم متبحر تھے۔ اجمیر شریف میں ٹائمس آف انڈیا پریس کی شاخ کے افسرِ اعلیٰ تھے[1] دینیات کے دلدادہ اور مذہب کے پابند، کئی کتابوں کے مصنف۔ گلدستہ عطار کے چار حصے، مجموعۂ شہادت، کرامات غوثیہ آپ کی تصانیف سے اب تک مقبول و مروج ہیں۔ "شعر الحدیث" کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ آپ کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔ رسالہ "رہنما" اجمیر کی ترتیب میں بھی آپ کا ہاتھ تھا۔ شعر بھی کہتے تھے لیکن عام طرزِ شاعری سے آپ کو کوئی دلچسپی نہ تھی۔ حکیم امیر الدین عطار اکبر آبادی کے شاگرد تھے۔ تمام راجپوتانے میں اس وقت مرحوم سے بہتر کوئی واعظ نہ تھا۔"

مولانا محمد حسین صدیقی کا تخلص فقیر تھا۔ (شاعر آگرہ اسکول نمبر ۱۹۳۷ء ص ۲۴۵) "مجموعہ شہادت" میں اُن کی چند نظمیں شامل ہیں۔ انہوں نے

---

[1] اثر چاند پوری نے منیجر بتایا ہے (داستانِ چند ص ۲۷)

اپنا بیشتر کلام اپنے استاد عطار اکبرآبادی کی نذر کردیا۔ (شاعر جولائی ۱۹۳۵ء ص ۹) "مجموعۂ شہادت" کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں۔ البتہ اعجاز صدیقی نے (شاعر آگرہ اسکول نمبر ۱۹۳۴ء ص ۲۴۵ اور "داستان" لاہور نوجوان شاعر نمبر ۱۹۴۱ء ص ۱۳۵) اپنی یاد داشت سے اُن کے جو اشعار بطور نمونہ کلام پیش کئے ہیں وہ درج ذیل ہیں

وہ جو حوصلہ تھا حسینؑ کا نہ تو دید ہے نہ شنید ہے
کہا دیکھ آئینہ تیغ کا، مجھے حسنِ یار کی دید ہے
جو لہو گلے سے رواں ہوا، کہا عاشقوں کی یہ عید ہے
جو نثار سجدے میں سر کرے وہ امام ہے وہ شہید ہے
مرا یادِ حق میں جو کام ہو تو خدا کے بندوں میں نام ہو
مجھے وصلِ یار مدام ہو، مری آرزو یہ تمام ہو

مولانا محمد حسین صدیقی کے یہاں پہلا بچہ ان کی شادی کے آٹھ سال بعد پیدا ہوا۔ اس بچے کا نام عاشق حسین تجویز ہوا اور یہی بچہ بڑا ہو کر دنیائے شعر و ادب میں سیمابؒ اکبرآبادی کے نام نامی سے جانا پہچانا گیا کہتے ہیں کہ سیمابؒ کی والدہ ایک بیحد خوبصورت خاتون تھیں اور شاید اُن پر کوئی جن عاشق تھا اسی وجہ سے شادی کے کئی سال بعد بڑے جتنوں، بڑی منتوں اور دعاؤں سے انھوں نے نرینہ اولاد کا منہ دیکھا۔ اگر سیمابؒ کا صحیح سنہ ولادت ۱۸۸۲ء مان لیا جائے تو مولانا محمد صدیقی کی شادی آٹھ برس پہلے یعنی ۱۸۷۴ء میں ہوئی ہوگی۔ راز چاند پوری کے کہنے

کے مطابق مولانا موصوف کی وفات اپریل ۱۸۹۷ء میں بمقام آگرہ بعمر پچاس برس ہوئی (داستانِ چند ص ۴۷) اس حساب سے ان کی پیدائش ۱۸۴۷ء میں اور شادی تیس برس کی عمر میں ہوئی ہوگی۔ سیماب شیخ صدیقی حنفی تھے اور اُن کی کنیت ابوالفخر تھی۔

اپنی ولادت کے تعلق سے سیماب شعر الحیات (کلیم عجم ص ۱۶۱) میں لکھتے ہیں "۔ میں جمادی الثانی ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۰ء بروز دوشنبہ بوقت صبح اکبر آباد (آگرہ) کے محلہ نائی منڈی ۔ ککو گلی املی والے مکان میں پیدا ہوا۔" اپنے ہجری سنہ ولادت کی نشاندہی انہوں نے اپنے ایک شعر (کارِ امروز ص ۲۵۳) میں یوں کی ہے ؎

ستاسی[1] سال بعد میرؔ ہے تخلیق غالب کی
یہی وقفہ ہے میری اور غالب کی ولادت میں

بیشتر مقامات پر ولادتِ سیماب کا سنہ ہجری ۱۲۹۹ھ ہی درج کیا گیا ہے چنانچہ یہی اُن کا صحیح سنہ ولادت۔ معلوم ہوتا ہے سیماب نے اپنی پیدائش کا مہینہ جمادی الثانی لکھا ہے اور کوئی تاریخ نہیں بتائی۔ "حیاتِ سیماب" قلمی (جسے ان کے ایک شاگرد قاسم علیخاں قادری نے انہی کی

---

[1] ولادتِ غالب ۱۲۱۲ھ ولادت سیماب ۱۲۹۹ھ
ولادتِ میر ۱۱۲۵ھ ولادت غالب ۱۲۱۲ھ
۸۷ ۸۷

ہدایات کے مطابق ترتیب دیا تھا، میں اُن کی پیدائش ماہ رجب میں بتائی گئی ہے (داستانے چند ص ۲۳) شاعر کے کار امروز نمبر (جولائی ۱۹۳۵ء ص ۹) میں مہینہ رجب المرجب تحریر ہے اور مکمل تاریخ ولادت دوشنبہ ۱۷ رجب المرجب ۱۲۹۹ھ درج کی گئی ہے۔ تقویم کے حوالے سے یہی دن، تاریخ مہینہ اور سنہ صحیح ہیں اور ۵ رجون ۱۸۸۲ء کے مطابق۔ ظاہر ہے کہ سنہ ہجری کو سنہ عیسوی میں بدلنے میں کہیں غلطی ہوگئی اور پھر کسی نے اسے درست کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ اس سلسلے میں راز چاندپوری نے داستانے چند ص ۲۳ پر جو تقویم ہجری و عیسوی شائع کردہ انجمن ترقی اُردو (ہند) کا حوالہ دیا ہے وہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ ۲۲ جولائی ۱۹۴۲ء کے خط میں سیماب کا راز چاندپوری کو لکھنا کہ "میں اپنی خیریت کیا لکھوں، بڑھاپا بجائے خود ایک مرض ہے۔ ساٹھ سال عمر کے پورے ہو چکے ہیں۔" (الوارث بمبئی سیماب نمبر ص ۱۷۰) اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ وہ جون ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے تھے نہ کہ ۱۸۸۰ء میں۔

حاجی عبدالکریم اور صادق حسین، سیماب کے دو بھائی تھے اور دونوں پریس کمپوزیٹر تھے۔ ایک گورنمنٹ پریس لشکر (گوالیار) اور دوسرا گورنمنٹ پریس شملہ میں۔ ان کی دو بہنیں بھی تھیں۔ ایک بھائی حاجی عبدالکریم اور ایک بہن (جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا) ۱۹۳۵ء سے پیشتر ہی انتقال کر چکے تھے۔ صادق حسین (جو غالباً سیماب سے چار برس چھوٹے تھے) کا انتقال ۹ رمئی ۱۹۶۸ء کو آگرہ میں بعمر ۸۲ برس ہوا۔ (شاعر مئی ۱۹۶۸ء ص ۱۰۶)

سیماب کی ابتدائی تعلیم حسب دستور عربی اور فارسی سے شروع

ہوئی۔ عربی ادب، اصول اور منطق اور فارسی میں سکندر نامہ، بینا بازار، مثنوی غنیمت، رقعاتِ میرزا قتیل، سہ نثر ظہوری، ابوالفضل وغیرہ کتابیں انہوں نے مولانا جمال الدین سرحدی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا قمرالدین اور مولانا عبدالغفور سے پڑھیں اور علم عروض میں مہارت حاصل کی۔ بعدازاں انہیں انگریزی مدرسہ میں داخل کر دیا گیا جو گورنمنٹ کالج اجمیر کے تعلق اور الحاق کے سبب برانچ اسکول کہلاتا تھا۔ برانچ اسکول کی تعلیم ختم کر کے وہ کالج میں پہنچے تو وہاں انہیں مولوی سدیدالدین قریشی اکبرآبادی، مولوی تحسین علی اجمیری اور مولوی عابد حسین ایسے عالم و فاضل استاد ملے ۱۸۹۶ء میں مولانا محمد حسین صدیقی والد سیماب بوجہ خرابی صحت ملازمت سے مستعفی ہو کر آگرہ چلے آئے جہاں ۱۶ اپریل ۱۸۹۷ء کو پچاس سال کی عمر میں بعارضہ سل ان کا انتقال ہو گیا۔ سیماب اس وقت ایف اے کے آخری سال میں تھے۔ فرزند اکبر ہونے کی حیثیت سے والد کی وفات کے بعد ان کی تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ والدہ، دو بھائیوں اور دو بہنوں کی تربیت و پرورش کا بار سیماب کے کمزور اور ناتواں کندھوں پر آپڑا۔ وہ ایف اے کا امتحان بھی نہ دے سکے۔ آگرہ میں سیٹھ چھدامی لال کی ٹال پر چند روز ملازمت کرنے کے بعد وہ کانپور میں شیخ عبدالرزاق کمیشن ایجنٹ کے یہاں ملازم ہو گئے وہاں ایک سال کام کرنے کے بعد واپس آگرہ آگئے اور انکی شادی ہو گئی (داستانے چند ص ۸۱) اس طرح انکی شادی ۱۸۹۸ء میں ہوئی تب ان کی عمر ۱۶ برس کی رہی ہو گی مگر خود ان کا کہنا تھا کہ ان کی شادی

بیس برس کی عمر میں ہوئی اور بیس برس کی عمر یعنی ۱۹۰۲ء میں شادی کا ہونا زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ اُس وقت ان کو کانپور ہی میں ایک دوسری بہتر ملازمت مل گئی تھی۔ شادی کرنے کے لئے وہ یقیناً کانپور سے آگرہ آئے ہوں گے۔

۱۸۹۸ء میں منشی امیر الدین نظر وارثی اکبرآبادی نے جو سیماب کے اولین شاگردوں میں تھے اور نورتھ ویسٹ ٹیزی کانپور میں مستری کے کام پر مامور تھے۔ سیماب کو دوبارہ کانپور بلالیا اور اپنے ہی کارخانے میں بحیثیت فیکٹری کلرک تعنیات کروادیا۔ کانپور میں سیماب اور نظر وارثی ایک ہی مکان میں سکونت پذیر تھے جو گوال ٹولی میں واقع تھا۔
سیماب کی شادی مُلّا امام الدین رئیس حویلی بیرخاں آگرہ کی بیٹی سکینہ خاتون سے ہوئی۔ مُلّا امام الدین کے والد حاجی فضل الدین (لکھی خیراتی) تھے، اعجاز صدیقی لکھتے ہیں کہ "یہ خاندان بہت متمول تھا۔ کلابتون کی تجارت ہوتی تھی۔ ایک لاکھ روپے کے چبوترے پر ہمیشہ چراغ جلتا رہتا بے تحاشا جائداد چھوڑی" (خط مورخہ ۱۴/اگست ۱۹۷۵ء بنام راقم السطور) سکینہ خاتون کے دو بھائی حاجی حافظ علیم الدین اور شمس الدین تھے۔

(دو)

شاعری سیماب کو کچھ ورثے میں اور کچھ فطرت سے بطورِ خاص ودیعت ہوئی کہ علمِ عروض سے انہیں خاصی دلچسپی تھی اور طبیعت کی موزونی زمانۂ تعلیم ہی میں ظاہر ہو چکی تھی۔ اُن کا ذوقِ شاعری برانچ اسکول اجمیر میں کُھل کر سامنے آیا اور پروان چڑھا۔ شروع شروع میں فارسی نصاب میں شریک اشعار کو اردو نظم کے سانچے میں ڈھالتے رہے۔ اس ضمن میں خود فرماتے ہیں کہ "رفتہ رفتہ یہ جسارت اتنی بڑھ گئی کہ امتحان کے پرچوں میں بھی ہمیشہ فارسی نظم کا ترجمہ اردو نظم ہی میں کرتا رہا اور صاحبِ ذوق ممتحن میری اس بدعت سے کبھی چیں بجبیں نہ ہوتے" (شعر الحیات کلیم عجم ص ۱۰۳)
عام والدین کی طرح ان کے والد بھی زمانۂ تعلیم میں شعر گوئی کے حق میں نہ تھے اور سیماب ان سے چھپ چھپا کر شعر کہتے اور مشاعروں میں شریک ہوتے تھے لیکن جب مولانا محمد حسین صدیقی کو یقین ہو گیا کہ سیماب کا ذوقِ شعری فطری اور موروثی ہے اور وہ اس سے کسی صورت میں احتراز نہیں کر سکتے تو ان کی مخالفت کم ہو گئی اور وہ سیماب کے مستقبلِ شاعری کے لیے دعا کرنے لگے

مولدِ میر و غالب اکبر آباد (آگرہ) کو دہلی سے بہت قریب کا رشتہ رہا ہے۔ مغل بادشاہ اپنا پایۂ تخت دہلی لے آئے تھے اور ان کے ساتھ

نہ جانے کیا کیا خاندان اور کیسے کیسے لوگ منتقل ہوئے ہوں گے۔ اس طرح
دہلی اور آگرہ کے درمیان سیاسی، سماجی اور لسانی تعلق قائم ہوگیا تھا۔
چنانچہ سیماب نے بچپن ہی میں محسوس کرایا تھا کہ ان کی "طبیعت فطرتاً
دبستانِ دہلی کی طرف مائل تھی"۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کے طول و عرض میں
جہاں اُستاد فصیح الملک داغ دہلوی کا طوطی بول رہا تھا چنانچہ رہبرِ کامل
کی جستجو ڈاکٹر اقبال کی طرح سیماب کو بھی کشاں کشاں حلقۂ تلامذہ داغ میں
لے گئی۔ نلاج (نگار) شمارہ جنوری ۱۹۲۳ء اور خمخانہ جاوید (جلد چہارم
۱۹۲۶ء ص ۳۲۸) میں ان کا سنِ تلمذ ۱۹۰۱ء درج ہے۔ لیکن شاعر
کا امروز نمبر (جولائی ۱۹۳۵ء ص ۹) کے مطابق ۱۹۰۲ء ہے۔ ۱۹۰۰ء
میں جب داغ دہلوی دربارِ دہلی سے ناپس ہو رہے تھے تو سخا دہلوی کی
معیت میں سیماب نے اپنی پہلی غزل بغرضِ اصلاح انہیں پیش کی۔
"حیاتِ داغ" (جسے سیماب نے اپنے زمانۂ قیام ٹونڈلہ میں تصنیف
کیا تھا) کے دیباچے میں وہ لکھتے ہیں کہ "۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۵ء تک استاد
مرحوم کی محبت بھری نگاہیں مجھے آگرہ اور کانپور میں نوازتی رہیں"۔
(شاعر مئی ۱۹۶۶ء ص ۲۳) "حیاتِ سیماب" قلمی کے حوالے سے
داستانِ چند (ص ۵) میں راز چاندپوری نے اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان کی ہے

"اجمیر میں منشی نظر حسن سخا دہلوی تلمیذ داغ دہلوی سیماب صاحب کے
ہم محلہ تھے اور سیماب صاحب کبھی کبھی حضرت سخا سے شعر و سخن کے
باب میں گفتگو کیا کرتے تھے۔ سخا صاحب ان کو برابر یہ مشورہ

دیا کرتے تھے کہ وہ یا تو ان کے شاگرد ہو جائیں یا کوشش کرکے مرزا داغ کے تلامذہ میں شامل ہو جائیں۔ کانپور کے زمانۂ قیام (۹۸-۱۸۹۷ء) حسنِ اتفاق سے ایک بار مرزا داغ کسی رئیس دکن کے ساتھ دہلی سے واپسی میں کانپور سے گزرے۔ سخا صاحب مرزا داغ کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے سیماب صاحب کو اطلاع دی اور سیماب صاحب وقت مقررہ پر ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے۔ مرزا داغ نے ان کو سیلون میں بلایا اور بیٹھنے کی اجازت دی اور کہا کہ سخا صاحب نے مجھ سے آپ کی بہت سفارش کی ہے اور آپ کے دیرینہ ارمان تلمذ کا بھی ذکر کیا ہے۔ پھر سیماب کو حکم دیا کہ وہ کوئی غزل سنائیں۔ انہوں نے اپنی تازہ غزل... سنائی۔ مرزا داغ ہنسے اور فرمایا کہ... اچھا اصلاح کے لئے آپ غزلیں مجھے حیدرآباد بھیج سکتے ہیں ...."

"شعر الحیات" (کلیم عجم ص ۱۶۴) میں سیماب تصدیق کرتے ہیں کہ "میں ۱۸۹۸ء میں فصیح الملک حضرت داغ دہلوی کا شاگرد ہو گیا"۔ ایک دوسرے مضمون "رحلت احسن الشعرا" (شاعر نومبر ۱۹۴۰ء ص ۳۹) میں بھی انہوں نے اسی سنہ تلمذ کی طرف اشارہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

"مرحوم نے ۱۸۹۴ء میں (میرے زمانۂ تلمذ سے ۴ برس پہلے) فصیح الملک حضرت داغ دہلوی مرحوم سے ذریعہ خط و کتابت شرف تلمذ حاصل کیا"۔ رشید احمد علوی نے بھی ۱۸۹۸ء ہی کو سیماب کا سال تلمذ داغ تسلیم کیا ہے

(شاعر جنوری و فروری ۱۹۵۳ء ص ۱۷) اس سلسلے میں سیماب کا اپنا بیان (کلیم عجم ص ۱۶۴) دلچسپی سے خالی نہیں، فرماتے ہیں :

"۱۸۹۸ء میں حیدر آباد سے برادرِ محترم ابو المعظم نواب سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی کی ادارت میں رسالہ "معیار الانشاد" شائع ہوتا تھا۔ نواب فصیح الملک کے حکم سے میں اُس کا خریدار ہوا اور غزلیں بغرض اصلاح حیدر آباد بھیجنے لگا۔ لیکن دوسری یا تیسری غزل پر فصیح الملک مرحوم نے لکھ دیا کہ " ابھی آپ کو مشق کی ضرورت ہے "۔ اس تنبیہ کے بعد میں نے غزلوں کی ترسیل کچھ عرصے کے لئے بند کر دی اور مشقِ سخن کی طرف متوجہ ہو گیا... کئی ماہ تک یہ سلسلۂ مشق اسی طرح جاری رہا۔ اس کے بعد مول گنج کانپور میں ایک مشاعرے کا اعلان ہوا۔ " دم نکلتا ہے کم نکلتا ہے "۔ میں نے ایک سیر غزل کہی اور استاد کی خدمت میں حیدر آباد بھیجدی۔ یہ غزل جب بعد اصلاح واپس آئی تو پیشانی پر سُرخ سیاہی سے لکھا ہوا تھا " آفریں کیا خوب غزل ہے "! بس پھر تو حوصلے بڑھ گئے۔"

ان تمام بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ سیماب ۱۸۹۸ء میں داغ کے شاگرد تو ہو گئے مگر استاد کے فرمان پر سلسلۂ اصلاح کچھ مدت کے لئے ملتوی کر دیا اور پھر جاری ہوا۔ مولگنج کانپور کے مشاعرے کی طرحی غزل ہے یہ غزل

یا اس کے کچھ اشعار سیماب کے کسی مطبوعہ دیوان میں نہیں ملتے ۔ نہ ہی اس مشاعرے کی تاریخ انعقاد مہیا ہے ۔ اندریں حالات زمانۂ التوا کی مدت کا تعین دشوار ہے تو بھی قیاس سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ مدت تین چار برس تک پھیل گئی ہوگی اور مستقل اصلاح کا سلسلہ ۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۲ء میں شروع ہوا ہوگا ۔ جیسا کہ تاج (گیا) خمخانۂ جاوید، حیات داغ اور شاعر کا امروز نمبر میں درج ہے ۔ ڈاکٹر منوہر سہائے انور ایک مضمون (ماہی تحریر دہلی جلد ۶ شمارہ ۴، ۱۹۷۲ء ص ۱۲) میں رقمطراز ہیں کہ داغ اپنی زندگی کے آخری چند برسوں میں "اکثر و بیشتر شاگردوں کا اصلاح طلب کلام اپنے کہنہ مشق اور حاضر باش تلامذہ کے حوالے کر دیتے تھے اور ان کی دی ہوئی اصلاحیں سن لیتے تھے ۔ انہوں نے ۱۸۹۸ء میں شاگردوں کی روز افزوں کثرت اور خط و کتابت کے بڑھتے ہوئے سلسلے سے تنگ آ کر کہا تھا ۔ یہ لوگ مجھ پر کیوں جھکے پڑتے ہیں ۔ کیا میں ہی سارے ہندوستان میں ایک استاد رہ گیا ہوں ۔ امیر ہیں، جلال ہیں ظہیر ہیں تسلیم ہیں ان سے کیوں فیضیاب نہیں ہوتے" ابوالفصاحت جوش ملسیانی نے بھی داغ کی شاگردی اسی زمانے میں (۱۹۰۲ء) قبول کی جب سیماب نے اگر ڈاکٹر انور کا بیان حقیقت پر مبنی ہے تو سیماب اور جوش ملسیانی کے کلام پر داغ نے براہِ راست اصلاح نہیں دی ہوگی اور بعض دانشوروں کا ذہن میں آبرا حسنی پیش پیش ہیں اس مغالطے میں مبتلا ہو جاتا کہ سیماب داغ کے شاگرد تھے ہی نہیں سمجھ میں

آنے والی بات ہے۔ داغؔ فروری ۱۹۰۵ء میں رحلت کر گئے پس سیماب اور جوش کو صرف دو تین سال ان کی رہبری نصیب ہو سکی۔ شاید ڈاکٹر اقبال کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا ہو۔ یہی سبب ہے کہ ڈاکٹر اقبال اور سیماب کے کلام پر داغ کے اثرات بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جوش ملسیانی داغ کی بیشتر روایات کے علمبردار ہیں تو بھی اُن کا بیان ہے کہ "اگرچہ حضرت داغ کی معجز نگاری میرے لئے بہت بڑی محرک تھی مگر یہ تسلیم کرتا ہوں کہ اپنے میلانِ طبع کے زیر اثر ان کا اندازِ سخن اپنی طبیعت میں اس قدر جاذب نہیں کر سکا جس قدر نوح ناروی، بیخود دہلوی، احسن مارہروی اور بیخود بدایونی نے کیا تھا (تحریر دہلی جوش ملسیانی نمبر ۱۹۷۲ء ص ۴۳)

نواب سراج الدین سائل دہلوی داماد داغؔ دہلوی اپنی ایک تحریر مورخہ ۱۴ راپریل ۱۹۳۷ء (شاعر آگرہ اسکول نمبر ۱۹۳۷ء ص ۱۸۹ - ۱۸۸) میں سیماب کو "یادگار جہاں استاد نواب فصیح الملک داغؔ دہلوی" اور "برادر عزیز" کہہ کر رقمطراز ہیں۔

"اس مضمون کو میں ختم کرنا چاہتا ہوں۔ سیماب بھائی کو معزز خطاب جانشین داغ دے کر جس کا مجھے حق حاصل ہے کہ میں جہاں استاد فصیح الملک داغؔ دہلوی مرحوم کے سلسلہ تلامذہ میں وہ منصب رکھتا ہوں جو ان کے کسی شاگرد کو میسر نہیں ہے خواہ بروئے فن اکثر ان میں مجھ سے افضل و اعلیٰ ہی کیوں نہ ہوں۔ استاد مرحوم کے شاگرد جو سیماب

صاحب کو جانشین استاد کے خطاب سے مخاطب نہ کریں گے
ان سے مجھے شکایت ہوگی میری شکایت اُن کی حقارت ہوگی"
داغ کے شاگردوں میں احسن مارہروی کو نمایاں حیثیت حاصل ہے
انہوں نے بھی اپنے مضمون "مرزا داغ اور اُن کے نورتن" (شاعر
سالنامہ ۱۹۳۷ء ص ۵۶) میں سیماب کو داغ کا ایک رتن بتایا ہے۔ فرماتے
ہیں "وہ اور مقالہ نگار ایک ہی استاد کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوئے
ہیں... ۱۸۹۸ء میں آپ کو جہاں استاد سے بذریعہ خط و کتابت
شرف تلمذ حاصل ہوا۔ آپ تمام تلامذۂ فصیح الملک میں ایسے فرد وحید
ہیں کہ مدت مدید ہی سے شعر و سخن میں اپنا پورا وقت صرف کرتے ہیں"۔
لیکن یہ دونوں مضبوط اور معتبر شہادتیں بھی ابراسنی کا شک و شبہ دور
نہیں کر سکیں۔ وہ اپنی تصنیف "اصلاح الاصلاح" (ص ۱۶ تا ۱۸) میں
لکھتے ہیں :-

"سیماب صاحب کی شاعرانہ شخصیت اور نفسیات کا تجزیہ
کرنے میں جانشینیِ داغ کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے
انہوں نے مشہور کیا ہے کہ وہ داغ کے شاگرد ہیں لیکن
تحقیقات سے یہ چیز غلط ثابت ہوتی ہے۔ ابھی سیماب
صاحب کو عالم طفلی میں دیکھنے والے بزرگ بحمد اللہ
بقید حیات ہیں خصوصاً ان کے ہم مشق تو متعدد موجود
ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ آپ حضرت عالی

اکبر آبادی کے شاگرد ہیں اور حضرت عالی کی زندگی تک
اُن سے اصلاح لیتے رہے۔ سیماب صاحب کے والد
ماجد اجمیر میں وعظ وغیرہ کہا کرتے تھے۔ سیماب صاحب
بھی اس سلسلے میں اجمیر رہتے تھے اور حضرت حاتم اجمیری
(جو بقید حیات ہیں اور وہاں کے مستند اُستاد ہیں) سے اصلاح
لیتے تھے۔ جب سیماب صاحب ریلوے میں ملازم ہو گئے
اور ان کا تبادلہ کانپور ہو گیا تو انھوں نے بہ تقاضائے وقت
حضرت ازل عظیم آبادی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور
نہایت وفادار شاگرد کی طرح ان کی شاگردی پر فخر کرتے
رہے۔ چنانچہ "مرقع قیصری" نام کا گلدستہ جس میں ایک
مشاعرہ غالب کے اس مصرع پر چھپا ہے۔

کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

۱۹۰۴ء میں شائع ہوا۔ اس میں سیماب کا ایک قطعہ تاریخ
بھی ہے جس کی سُرخی ہے۔ "قطعہ تاریخ عاشق حسین سیماب
اکبر آبادی تلمیذ حضرت ازل عظیم آبادی"۔ بایں ہمہ سیماب صاحب
خود کو داغ کا شاگرد لکھتے ہیں اور سنہ شاگردی ۱۸۹۰ء
بتاتے ہیں۔ داغ کے محبوب اور واقف راز شاگردوں میں
کوئی اس بات کا پتہ نہیں دیتا کہ انھوں نے سیماب صاحب
کو خود داغ کا شاگرد دیکھا یا سُنا۔ سفر و حضر میں مدتوں

ساتھ رہنے والے شاگرد حضرت احسن مرحوم اور حضرت نوح مدظلہٗ
ہیں۔ ان حضرات سے جب سیماب صاحب کے متعلق
استفسار کیا تو انہوں نے اقرار نہ کیا اور مصلحت آمیز خاموشی
سے کام لیا۔ اگرچہ یہ دونوں حضرات اپنی تحریروں میں
مصلحتًا اس امر کی تصدیق کرتے رہے کہ ہاں سیماب داغ
کے شاگرد ہیں مگر غالبًا یہ کام مروت کے تحت تھا۔ حضرت
بیخود دہلوی اور حضرت سائل کو جتنی قربت داغ سے حاصل
ہے۔ وہ محتاجِ اظہار نہیں۔ میں نے حضرت بیخود سے سوال
کیا کہ کیا سیماب مرزا داغ کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے
صاف کہا کہ نہیں۔ ہم نے نہ کبھی استاد کے پاس دیکھا
نہ کبھی استاد سے ان کا نام سُنا۔ میں نے کہا پھر آپ
حضرات نے اس بات کا اعلان کیوں نہیں کیا؟ فرمایا ہمیں
کیا ضرورت ہے۔ ایک شخص ہم سے رشتہ ملاتا ہے۔
ہمیں اس کی تالیف قلب کے لئے ہاں میں ہاں ملا دینی
چاہیئے۔ ایک مرتبہ میں نے حضرت سائل مرحوم سے بھی
سوال کیا۔ فرمانے لگے بیٹا شاگرد تو نہیں ہیں اور اگر
ہوں تو ایسے خطی (خط کے ذریعہ جو لوگ شاگرد ہوتے
ہیں) شاگردوں میں ہوں گے جیسے داغ کے ہزاروں
شاگرد تھے اور جن کی غزلوں پر تمہارے استاد احسن اور

بھائی نوح وغیرہ بحکم داغ اصلاح کر کے بھیج دیا کرتے تھے میں نے کہا حضرت آپ نے تو بڑے وثوق کے ساتھ اپنی تحریر میں انہیں شاگرد داغ تسلیم کیا ہے بلکہ ان کو داغ کے بعد جانشینی کی سند بھی عطا فرمائی ہے۔ آخر یہ کیا؟ ہنسے اور کہنے لگے ارے بھئی جب انہوں نے نام پیدا کر لیا ہے اور ہماری برادری میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو ہمارا حرج بھی کیا ہے کہ ان کو اپنا بھائی بتادیں اور بنالیں اس طرح حضرت جوش ملسیانی اور حضرت ناطق گلاوٹھی سے جو مرزا داغ کے مخصوص تلامذہ ہیں۔ میں نے استفسا کیا تو ان حضرات نے بیانگ دہل انکار قطعی کیا۔"

ابر احسنی نے اپنے بیان کی صداقت میں کوئی ٹھوس شہادت پیش نہیں کی۔ یہ کہنا کہ سائل اور احسن نے بوجوہ غلط بیانی سے کام لیا۔ ان کے کردار اور ذمہ دارانہ رویے پر ناحق شک کرنا ہے۔ سائل نے تو اپنی بات کا اعادہ اس خط میں بھی کیا ہے جو انہوں نے نوح ناروی کو لکھا اور جسے رسالہ مشہور دہلی کی اشاعت دسمبر ۱۹۴۵ء میں شائع کیا گیا (جوش ملسیانی رکھیشنو ان گرنتھ ص ۸۷) خط

یوں ہے:۔

"میں تم چار ہستیوں کو جتنا عزیز رکھتا ہوں اُسے میرا دل ہی جانتا ہے۔ نمبروں کی ترتیب درجہ قائم کرتی ہے۔

تم (نوح)، بیخود، جوش ملسیانی، سیماب اکبرآبادی"

نوح، جوش اور ناطق کی آسا شریک کتاب (اصلاح الاصلاح) ہیں اگر وہ ضرورت محسوس کرتے تو اس بات کی تردید کر سکتے تھے مگر انہوں نے دانستہ ایسا نہیں کیا۔ زمانۂ زیرِ غور میں داغ مستقلاً حیدرآباد میں مقیم تھے۔ ظاہر ہے کہ اس مدت میں اُن کے جو نئے شاگرد بنے وہ بیشتر خطی شاگرد ہی رہے ہوں گے اور اس میں کوئی قباحت بھی نہیں۔ اگر ایسے شاگرد کے کلام کی اصلاح میں داغ کی منظوری شامل تھی تو اسے اصلاحِ داغ ہی سمجھنا چاہیے۔ "مرقعِ قیصری" شمارہ ۵ جون ۱۹۰۴ء کے حوالے سے جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ وہ بھی اس وقت قابلِ قبول ہو سکتا ہے جب اس امر کی تصدیق ہو جائے کہ ازل کا نام خود سیماب نے اپنے نام کے ساتھ جوڑ کر لکھا تھا اور کسی نے بعد میں اپنی طرف سے اضافہ نہیں کیا۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ داغ کا شاگرد بننے سے پہلے سیماب نے اپنے کلام دوسرے اہلِ نظر کو بھی دکھایا تو یہ کوئی انہونی بات نہیں۔ بقول دانہ جالندھری انہوں نے محمد حسین خاک اجمیری تلمیذ غالب، شیخ حسن مہدی ازل عظیم آبادی تلمیذ جلال اور منشی اکبر علی خاں افسوں شاہجہانپوری شاگرد داغ سے مشورۂ سخن کیا (داستان نے چند ص ۷ تا ۸)، اور اُن کا ایسا

کرنا تلمیذِ داغ کی نفی ہرگز نہیں کرتا۔ یہ ضرور ہے کہ خود سیماب نے داغ کے علاوہ کسی دوسرے استاد سے مشورۂ سخن کرنے کا ذکر نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ انھوں نے مذکورہ اساتذہ کو ابتدائی زمانۂ مشق (۱۸۹۲ تا ۱۸۹۸ء) کا کلام دکھایا ہو یا اُن سے مشورہ کیا ہو اور ان کی اصلاح یا مشورے سے مطمئن نہ ہو کر انھوں نے اس کو کوئی اہمیت ہی نہ دی ہو۔ بہرحال یہ مسلمہ امر ہے کہ داغ کی وفات کے بعد سیماب نے اپنا کلام کسی دوسرے استاد کو نہیں دکھایا۔

ابر احسنی نے سیماب کی شاگردیِ داغ کے سلسلے میں جو سوال اٹھایا تھا اس پر انجمن ترقی اُردو (ہند) کے رسالے "ہماری زبان" میں بھی بحث اٹھائی گئی۔ یہ بحث ویریندر پرشاد سکسینہ کے مضمون "داغ کے بعض مشہور تلامذہ" سے شروع ہوئی جو "ہماری زبان" کے شمارہ ۸ رنومبر ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا۔ اس میں انھوں نے سیماب کی شاگردیِ داغ کی نفی کی تھی۔ یہ سلسلہ "ہماری زبان" کے شمارہ ۱۵ رمئی ۱۹۶۸ء تک جاری رہا اور اس میں سکسینہ کے علاوہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، مناظر عاشق ہرگانوی، ظفر الاسلام ظفر، اور شفا گوالیاری نے حصہ لیا۔ سکسینہ کو چھوڑ کر باقی تمام حضرات نے سیماب کی شاگردیِ داغ کی تصدیق کی۔ مناظر عاشق ہرگانوی نے "اصلاح الاصلاح" (مصنفہ ابر احسنی) میں سیماب کے شاگرد داغ نہ ہونے کے سلسلے میں جو حوالے دیئے گئے ہیں۔ ان کو "سنا سنایا" بتا کر کہا کہ "اس کی اہمیت نہیں کے برابر ہے"۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے بڑے وثوق سے اعلان کر دیا کہ "جہاں تک سیماب کا

تعلق ہے وہ یقیناً داغ کے شاگرد تھے اور شاگردِ خاص تھے "۔اس ضمن میں سکسینہ نے سیماب کی تصنیف" دستورالاصلاح "کے تعلق سے لکھا تھا کہ" اس کتاب نے ملک میں ایک ادبی ہنگامہ برپا کردیا تھا۔" اس کتاب کی مقبولیت کے پیشِ نظر مناظر عاشق ہرگانوی کو لفظ" ہنگامہ" کھٹکا اور انہوں نے کہا کہ" اگر ایک صاحب نے اسے ناپسند کیا ہے تو دسیوں قابلِ ذکر حضرات نے اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے" ثبوت میں انہوں نے فانی بدایونی، پنڈت دتاتریہ کیفی، قمر بدایونی وغیرہ کی آراء نقل کی ہیں۔

(بیعت)

اوپر کہا گیا ہے کہ منشی امیر الدین نظر اکبر آبادی سیماب کے اولین شاگردوں میں سے تھے اور زمانۂ قیام کانپور میں اُن کے ہم خانہ بھی۔ ایک وارثی ہونے کے ناطے وہ سیماب کو ایک روز دیوہ شریف لے گئے۔ جہاں سیماب نے مرشدی و مولائی حضرت حاجی حافظ سیّد شاہ وارث علی رحمتہ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ اس سلسلے کا ایک نہایت دلچسپ واقعہ شاعر کا رامروز نمبر (جولائی ۱۹۳۵ء ص ۱۰) سے منقول ہے:

سیماب مجوزہ بیعت دفعتاً بے ہوش ہو گئے اور جب ہوش میں آئے تو اضطرابِ شوق سے بے چین تھے۔ لیکن حضورِ سرکار میں دوبارہ حاضری مراسم ادب و احترام کے منافی تھی مگر شعریت کے قربان کہ جہاں دنیا کی کوئی قوت کام نہ کر سکے وہاں یہ کامیاب ہو جاتے۔ کسی نے مولانا کو یاد دلایا کہ آپ شاعر بھی تو ہیں۔ ایک نظم کہیے اطلاع کر دی جائیگی اور اس طرح آپ کی آرزوئے بازدید کامیاب ہو جائے گی۔ فوراً آپ نے ایک نظم کہی جس کا مطلع یہ تھا ؎

ساقیا دے مجھے وہ جام ولائے وارثؒ
جس طرف آنکھ اٹھاؤں نظر آئے وارثؒ

قدم بوسی کی اجازت دوبارہ مرحمت فرمائی گئی عقیدتمند ایک فاتح شاعر کی حیثیت سے حاضرِ دربار ہوا۔ نذرِ عقیدت (نظم) پیش کی عنوان نظم کے بعد تلمیذ فصیح الملک مرزا داغ دہلوی لکھا ہوا تھا سرکار نے نظم کو خود پڑھا اور کاغذ موڑ کر سیدھے پائے مبارک کے انگوٹھے کے نیچے دبا لیا۔ ایک لمحے کے بعد پھر پڑھا اور اپنے خادم خصوصی اوگھٹ شاہ صاحب سے ارشاد فرمایا "یہ فصیح ہیں" جواب میں کہا گیا کہ "سرکار فصیح الملک کے شاگرد ہیں"

سرکار پر غلبۂ جذب طاری ہوا اور جوش میں آ کر فرمایا کہ "ہاں یہ فصیح ہیں"۔

شاعر آگرہ اسکول نمبر (سالنامہ ۱۹۳۷ء ص ۵۱۳) میں اس واقعہ کا سنہ وقوع ۱۸۹۹ء مرقوم ہے مگر شاعر کا امروز نمبر (جولائی ۱۹۳۵ ص ۱۰) میں ۱۹۰۳ء لکھا ہے۔ کلیم عجم ص ۳۶۷ کے مطابق جو سات اشعار کی غزل (نظم؟) سیماب نے دیوہ شریف میں کہہ کر نذر گزرانی۔ اس کی تاریخ تخلیق ۱۸۹۹ء درج ہے۔ اسی سال سیماب داغ کے شاگرد ہوئے اس لئے یہی تاریخ اس واقع کی صحیح معلوم ہوتی ہے۔

سیماب کا قیام کانپور میں کب تک رہا یہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اُن کے بڑے صاحبزادے شمشاد حسین منظر صدیقی کانپور ہی میں ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوئے (شاعر آگرہ اسکول نمبر سالنامہ ۱۹۳۷ء ص ۴۴۳) اور منشی امیر الدین نظر اکبر آبادی کی گود میں کھیلا کئے (شاعر سالنامہ ۱۹۳۷ء ص ۵۱۳) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نظر کی وفات بھی اسی سال میں ہوئی (شاعر میں اُن کے حوالے سے سنہ وفات غلطی سے

۱۹۰۵ء لکھا گیا ہے۔ غالباً نظر کی وفات کے بعد ہی سیماب کانپور چھوڑ کر آگرہ پہنچ گئے اور کچھ دن وہاں رہ کر ریلوے آڈٹ آفس کی ملازمت کے سلسلے میں اجمیر شریف چلے گئے جہاں ان کا قیام کم و بیش پانچ برس تک رہا (کلیم عجم ص ۱۶۶) زاں بعد ۱۹۱۶ء میں وہ ٹونڈلہ تشریف لے گئے (شاعر نومبر ۱۹۶۵ء ص ۱۵) راز چاندپوری ایک جگہ سوال کرتے ہیں کہ "۱۸۹۸ء میں کانپور چھوڑنے کے بعد ۱۹۰۸ء میں اجمیر جانے تک وہ کہاں رہے اور اس دس سال کی مدت میں انہوں نے کیا کیا؟ اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا" (داستانِ چند ص ۸۱) یہ سوال اس غلط فہمی پر مبنی ہے کہ سیماب کانپور میں ۱۸۹۸ء تک رہے۔ دراصل وہ ۱۹۰۵ء تک کانپور ہی میں تھے اور یہی وہ مدت ہے جس کے بارے میں راز پریشان ہیں۔ کانپور کی ملازمت چھوڑنے کا ایک سبب یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ سیماب وہاں سخت بیمار ہو گئے تھے (کلیم عجم ص ۱۶۵)

"شاعر کی راتیں" کے عنوان سے سیماب نے شاعر میں ایسے دلچسپ مشاعروں کا حال لکھنا شروع کیا تھا جن میں وہ بھی شریک تھے۔ یہ سلسلہ چند ماہ جاری رہ کر بند ہو گیا۔ اس میں سیماب نے کانپور کے تین مشاعروں کا ذکر کیا ہے۔ انہیں کی زبانی سنیئے۔

۱۔ کانپور میں حکیم ازل صاحب لکھنوی کے یہاں مولگنج میں مشاعرہ تھا۔ حکیم ضامن علی جلال لکھنوی ان کے استاد تھے وہ بھی لکھنو سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ مشاعرہ دن کو تھا

۳ بجے میں بھی پہنچ گیا مصرعِ طرح تھا ؎

آگ پانی میں لگاتے ہیں لگانے والے

جلال مرحوم مصلے پر نیم عریاں بیٹھے تھے کہ ان کے ایک شاگرد نے کہا "حضور مصرعِ مطروحہ پر مصرع نہیں لگتا" مرحوم نے اپنی آنکھوں کے چیپڑ پونچھتے ہوئے فوراً کہا کہ بھائی مصرع یوں لگا لو ؎

کیا عجب ہیں نے دمِ گریہ جو آہیں کھینچیں
آگ پانی میں لگاتے ہیں لگانے والے

جتنے حضرات وہاں بیٹھے تھے اچھل پڑے اور اس برجستہ گوئی پر داد و تحسین دینے لگے۔" (شاعر مارچ و اپریل ۱۹۲۵ء)

۲۔ مولگنج میں ایک سالانہ مشاعرہ ہوا کرتا تھا جو ہزاری مشاعرہ کے نام سے موسوم تھا۔ بانیٔ مشاعرہ کوئی ہندو بزرگ تھے جن کا نام اور تخلص اب مجھے یاد نہیں رہا۔ غالباً مرزا غالب کے شاگرد تھے شعر تو معمولی کہتے تھے مگر ان کا ذوقِ شاعری بہت بلند تھا گن کر ایک ہزار روپیہ ہر سال مشاعرہ میں صرف کر دیا کرتے تھے۔ صحبت نہایت نفیس اور منظم ہوتی تھی۔ مکلف ہال میں چاروں طرف شعرا کی نشست ہوتی تھی۔ سامعین اوپر گیلری میں بیٹھتے تھے۔ جب شاعر غزل پڑھتا تھا اور اوپر سے داد کی بارش ہوتی تھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا عالمِ بالا سے فرشتے داد دے رہے ہیں۔ ہر شاعر کے سامنے ایک خس کا گلوری دان ایک لکھنوی مٹی کا حقہ ایک صراحی ضرور رکھی جاتی تھی۔ اس مشاعرے

میں جناب صفی اور عزیز لکھنوی، طاہر فرخ آبادی مرحوم، مولانا حامد حسین حامد مرحوم مصحح نولکشور پریس لکھنؤ وغیرہ مشہور اور کہنہ مشق شعراء اکثر شریک ہوتے تھے۔ میں بھی دو چار مرتبہ ہزاری مشاعروں میں شریک ہوا ہوں۔ ایک مرتبہ مصرع تھا۔ "محشر میں دو سوال کریں گے خدا سے ہم" حضرت طاہر فرخ آبادی مرحوم تشریف لائے تھے۔ بوڑھے آدمی۔ منہ میں ایک دانت نہیں، داڑھی یکسر سفید، بھویں تک سفید، دراز قد، سفید انگرکھا پہنے ہوئے تھے۔ کھلتا ہوا رنگ، نہایت وضعدار و بلند فطرت، جب غزل پڑھنے کا وقت آیا تو ہال کے درمیان بیٹھ گئے اور فرمایا "بوڑھا ہوں۔ غزل پڑھی نہیں جاتی۔ مسافر ہوں۔ اس لئے مسافر نوازی کی آپ سے توقع ہے" پھر جو غزل پڑھی تو اللہ اللہ مشاعرے کے در و دیوار کو ہلا دیا۔ گو منہ میں دانت نہ تھے مگر کیا مجال کہ لفظ کا تلفظ خراب ہو جائے۔ ان کا ایک مطلع مجھے ابھی تک یاد ہے اور ہمیشہ یاد رہے گا

تنگ آگئے ہیں اس بتِ ناآشنا سے ہم
فریاد برہمن سے کریں یا خدا سے ہم

یہ مطلع طاہر صاحب مرحوم سے بیسیوں مرتبہ پڑھوایا گیا۔ مگر سیری نہ ہوئی۔ آخر طاہر صاحب ہاتھ جوڑ کر سروقد کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ مسافر نوازی کی انتہا ہو گئی۔ اب مجھ میں زیادہ طاقت نہیں۔ اس لئے غزل کے چند اشعار اور سن لیجئے مگر سامعین کا یہی اصرار تھا کہ مطلع پڑھتے جائیے۔ آخر بہ دشواری دوسرے اشعار پڑھنے کی اجازت ملی۔ (شاعر تاریخ تا جون ۱۹۲۵ء)

۴۔ کانپور میں ایک حکیم صاحب کے یہاں بتقریب شادی مشاعرہ ہوا۔ پنڈال سرخ کپڑے سے دلہن کی طرح آراستہ تھا حضرت جاوید لکھنوی مرحوم بطور خاص تشریف لائے ہوئے تھے۔ دبیز مگر سڈول جسم کے آدمی سر پر لکھنوی ٹوپی، بدن پر انگرکھا۔ ڈھیلا پاجامہ، بڑے آن بان کے آدمی تھے صبح سے پہلے انہیں غزل پڑھنے کا موقع دیا گیا اور غیر طرحی غزل کی فرمائش ہوئی۔ جناب جاوید گرمی سے گھبرا رہے تھے۔ پنکھے برابر جھلے جا رہے تھے کہ آپ نے گرمی کی شکایت کی اور فرمایا "استفراغی کیفیت پیدا ہو رہی ہے"۔ گلاب کا شربت حکیم صاحب نے نذر کیا۔ پندرہ بیس منٹ تک یہی تکلف رہا۔ اس کے بعد بمشکل جاوید مرحوم نے غزل شروع کی اور مطلع پڑھا۔

بکھرا کے زلف کو نہ جنازے پہ آیئے

ایک مصرع پڑھ کر خاموش ہو گئے۔ مصرع بار بار دہرایا جا رہا تھا اور ہر طرف اصرار تھا کہ حضور دوسرا مصرع جلد عنایت فرمائے۔ اب قوتِ ضبط باقی نہیں رہی۔ جاوید صاحب نے اصرار بسیار کے بعد پہلا مصرع پھر دہرایا اور چند منٹ خاموش رہنے کے بعد دوسرا مصرع پڑھا۔

اس تیرگی میں لاش نہ اٹھے گی جایئے

اب آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ مشاعرہ کا کیا حال ہوا ہوگا۔ ادھر تو گرمی ادھر گرمیٔ سخن لوگ اپنی اپنی جگہ سے اٹھ اٹھ کر گرے پڑتے تھے۔ ہر طرف شور حشر برپا تھا۔ جاوید صاحب پر پھولوں کی بارش ہو رہی تھی

پنکھے پر پنکھے جھلے جارہے تھے اور جاوید صاحب بکھرے جارہے تھے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو کوئی ڈیڑھ گھنٹے میں ۱۱ شعر غزل کے ختم ہوئے اور مشاعرہ ختم ہو گیا۔

(شاعر مئی و جون ۱۹۳۵ء)

ان مشاعروں میں سیماب نے جو غزلیں پڑھیں وہ غزلیں یا اُن کے کچھ اشعار کسی مطبوعہ مجموعہ میں شامل نہیں ہیں جن سے ان مشاعروں کی تاریخ انعقاد معلوم ہوتی۔ "شاعر کی راتیں" میں سیماب نے اجمیر شریف کے صرف ایک مشاعرے کا حال لکھا ہے اور اس میں بھی اپنے ہی تعلق سے ایک واقع کا بیان کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔

"اجمیر شریف میں بیدل صاحب کے یہاں مشاعرہ ہوا۔ بیدل صاحب شعر بہت اچھا کہتے تھے اور ان کا گریبان ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ غالباً جاورہ سے کوئی تعلق تھا۔ جوان تو تھے۔ یہاں مدار دروازے باہر ایک طوائف سے رسم ہو گئی اکثر اس کے یہاں اُٹھتے بیٹھتے تھے۔ خیر مشاعرہ ہوا، میں بھی گیا۔ اثنائے مشاعرہ میں کسی نے میری غزل جیب سے صاف نکال لی اور کچھ دیر کے بعد میرے سامنے مشاعرہ میں پڑھنی شروع کر دی۔ لوگوں نے جن اشعار پر داد دلی میں نے بھی دی۔ پڑھنے والے نے خوب جھک جھک کر آداب و تسلیم کی اور بڑے مطمئن لہجے میں غزل پوری کر دی۔ میں نے اسی

حالت میں پندرہ شعر اور کہہ لئے اور جب میرا نمبر آیا تو
غزل سنادی۔ مشاعرہ ختم ہو گیا۔ دوسرے روز وہی صاحب
میرے پاس آئے۔ کہنے لگے کہ میں نے آپ کا امتحان لیا
تھا۔ آپ اس میں کامیاب ہوئے۔ اب میں آپ کا شاگرد ہوتا
ہوں۔ میں نے کہا۔ یہ تو کوئی امتحان کی بات نہ تھی۔ کہنے
لگے دوسرا شاعر ہوتا تو وہیں مچل جاتا کہ میری غزل مشاعرہ میں
پڑھی جارہی ہے۔ میں نے کہا اس کا کیا ثبوت تھا کہ وہ
غزل آپ کی نہ تھی، میری تھی۔ اشعار میں مصنف کی تصویر
یا اشعار پر مصنف کی مہر تو ہوتی نہیں جس سے ملکیت ثابت
کی جاسکے۔ مگر وہ میرے اس مشرب سے برابر متاثر تھے۔
آخر شاگرد ہو گئے۔ (شاعر مارچ واپریل ۱۹۳۵ء)

سیماب نے بہت اچھا کیا کہ اس جیب کترے شاعر کو گمنام ہی رہنے دیا۔
لیکن انہوں نے بھی سوچا ہوگا کہ ایسے ذہین اور ہونہار شاگرد کب اور
کسے میسر آتے ہیں۔

دوران قیام اجمیر شریف میں سیماب نے اپنی ادارت میں ایک
رسالہ "فانوسِ خیال" جاری کیا۔ (کلیم عجم ص ۱۶۶) جو جلد ہی
بند ہو گیا۔ وہ ایک جگہ (شاعر ستمبر ۱۹۳۶ء ص ۴۹) میں
لکھتے ہیں:

"میری عمر کے پہلے بیس سال تو قطعی طور پر

راجپوتانے میں گزرے ہیں۔"

معلوم ہوتا ہے کہ "پہلے" بلیس سال میں انہوں نے وہ پانچ سال بھی جوڑ لئے ہیں جو ۱۹۱۰ء یا ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۵ء یا ۱۹۱۶ء تک بسلسلۂ ملازمت اجمیر شریف میں گزارے۔

ریلوے آڈٹ آفس سے مستعفی ہوکر سیماب اجمیر شریف سے آگرہ پلٹ آئے۔ یہاں آتے ہی اُن کو رسالہ "مرصع" (جو منشی فریدالدین خاں گوہر کے مطبع سے شائع ہوتا تھا) کی ادارت سونپ دی گئی۔ مگر کسی معقول ملازمت کی تلاش جاری رہی اور ۱۹۱۷ء یا ۱۹۱۸ء میں انہیں قلعہ اکبرآباد میں "ملٹری ورکس آفس" میں کلرکی کی جگہ مل گئی (داستانِ چند ص ۸۱) لیکن طبیعت کی سیمابیت نے سیماب کو یہاں بھی اطمینان کی سانس نہیں لینے دی۔ سید محمد احسن شہید شمس آبادی سے سیماب کے مراسم تھے اور شہید اس وقت ٹونڈلہ (ضلع آگرہ) کے ڈی ٹی ایس آفس میں ہیڈ کلرک تھے۔ ۱۹۱۸ء میں سیماب کچھ دن ٹونڈلہ میں مقیم رہے (شاعر آگرہ اسکول نمبر سالنامہ، ۱۹۳۰ء ص ۲۴۹) غالباً وہ شہید شمس آبادی سے ملنے گئے ہوں گے اور اُن سے اپنی بیکاری کا ذکر کیا ہوگا۔ چنانچہ شہید نے انہیں اپنے ہی دفتر میں ایک کلرک کی آسامی پر تعینات کروا دیا۔ سیماب کو ۱۹۲۱ء سے نواسیر کی تکلیف تو تھی ہی اس لئے وہ کرسی پر بیٹھ کر کام نہیں کر سکتے تھے۔ جولائی ۱۹۲۲ء میں وہ ڈسٹرکٹ میڈیکل آفیسر کے سامنے پیش ہوئے اور ڈاکٹر کی سفارش پر انہیں ریلیونگ ٹکٹ کلکٹر مقرر کر دیا گیا۔ مگر نائٹ ڈیوٹی ملنے کے سبب انہیں اس کام میں بھی دشواری ہوئی

۱۶ اپریل ۱۹۲۳ء کے ایک خط میں وہ راز چاند پوری کو لکھتے ہیں کہ "ابھی میں نے استعفاء نہیں دیا ہے عقل کہتی ہے کہ بیکار ہو جانے سے پہلے کوئی کام سوچ لینا چاہیئے۔" (داستانے چند ص ۸۳) دراصل اُن کا ارادہ تھا کہ آگرہ میں پریس قائم کر کے تالیف و تصنیف کے کام میں مشغول ہو جائیں پریس تو فوری طور سے قائم نہیں ہو سکا لیکن ۱۹۲۳ء ہی میں انہیں استعفاء داخل کر دینا پڑا۔ اس ملازمت سے مستعفی ہونے کا سال شاعر کے کار امروز نمبر (جولائی ۱۹۳۵ء ص ۱۲) میں ۱۹۲۱ء دیا گیا ہے جو بظاہر غلط ہے۔

زمانۂ قیام ٹونڈلہ میں سیماب "آگرہ اخبار" کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ انہوں نے ایک مختصر رسالہ "پری خانہ" بھی ترتیب دیا جس میں ایک مشاعرے میں پڑھی گئی طرحی غزلیں جمع کر دی گئی تھیں۔ یہ رسالہ مارچ ۱۹۱۹ء میں شائع ہوا۔ (داستانے چند ص ۲۵) ٹونڈلہ میں ارشاد احمد خاں ارشاد نظامی اکبر آبادی سیماب کے شاگرد ہوئے۔ یہ بھی ریلوے ہی میں ملازم تھے۔ انہی کی تحریک پر سیماب نے "سب سے پہلے سیکرٹیری گورنمنٹ آف انڈیا سے خط و کتابت کر کے مشہور مثنوی "زہرِ عشق" کو کتب ممنوع الاشاعت کی فہرست سے نکلوا کر آگرہ سے شائع کیا۔ اس کے بعد اس کی اشاعت تمام ہندوستان میں عام ہو گئی" (شاعر آگرہ اسکول نمبر سالنامہ ۱۹۳۷ء ص ۵۲۳) ۱۹۲۱ء میں الحاج محمد الدین مدیر رسالہ صوفی نے سیماب کو پنڈی بہاؤالدین (پنجاب) آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ مئی میں وہ پنڈی بہاؤالدین گئے اور جلال پور

تشریف ہوتے ہوئے آگرہ واپس ہوتے۔ غالباً انہی دنوں میں سیماب کی دو تالیفات "سیرۃ الحسین" اور "سیرۃ الکبریٰ" ادارہ رسالہ "صوفی" نے شائع کیں۔[1] "سوانح نورجہاں بیگم" اور "حیاتِ داغ" بھی اسی زمانے کی تصانیف ہیں۔

آخر سیماب کو معلوم ہوا کہ "فطرت نے مجھے اس لئے پیدا نہیں کیا کہ میں اپنی تمام عمر ذہنی غلامی میں بسر کر دوں بلکہ میری تخلیق خدمت ادب کے لئے ہوئی ہے۔" (کلیم عجم ص ۱۶۶)۔ چنانچہ وہ ملازمت اور ملازمت کا خیال ترک کر کے ۱۹۲۳ء میں مستقلاً آگرہ میں قیام پذیر ہو گئے اور ان کی تمام قوتیں اور صلاحیتیں اور ان کا بیشتر وقت یکسر علمی اور ادبی تخلیقات اور خدمتِ ادب اُردو کے لئے وقف ہو گئے۔

---

[1] رسالہ "صوفی" جولائی ۱۹۲۳ء کے صفحہ ۱۵ پر پانچ کتابوں کا اشتہار ہے۔ ان میں دو کتابیں ہیں "سیرۃ حضرت خدیجۃ الکبریٰ" اور "سیرۃ حضرت امام حسینؑ" لیکن ان کتابوں کے مصنف کا نام نہیں دیا۔ اسی طرح صفحہ ۵۲ پر "حیاتِ داغ" کا اشتہار تو ہے مگر مصنف کا نام نہیں۔ دراصل یہ تینوں کتابیں سیماب ہی کی تصنیف کردہ ہیں، جنہیں صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ منڈی بہاؤالدین کمپنی ضلع گجرات پنجاب (پاکستان) نے شائع کیا تھا۔ مناظر عاشق ہرگانوی کے بیان کے مطابق "حیاتِ داغ" کے آخری چار صفحات پر چند کتابوں کے اشتہارات ہیں جن میں "خدیجۃ الکبریٰ" اور "سیرۃ الحسین" کے اشتہارات بھی ہیں۔ ان میں مصنف کا نام سیماب اکبرآبادی لکھا ہے۔ (شاعر بمبئی مئی ۱۹۶۶ء ص ۲۶)

اب تصنیف و تالیف ہی اُن کا پیشہ تھا۔ رسائل و اخبارات میں چھپنا مشاعروں میں شرکت، شاگردوں کے کلام کی اصلاح اور چند جرائد و رسائل کی ترتیب و تہذیب، بس یہی اُن کی زندگی کا مقصد اولر لائحہ عمل اور یہی ذریعۂ معاش تھا۔

(چار)

سنہ ۱۹۲۳ء سیماب کی زندگی میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اسی سال وہ ملازمت کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر مستقلاً آگرہ آکر بس گئے۔ یہی وہ مبارک سال ہے جب انھوں نے آگرہ میں ادارۂ "قصر الادب" کا سنگِ بنیاد رکھا[1] اور اسی کے اہتمام سے ماہنامہ "پیمانہ" کا اجرا کیا جس کے برائے نام مدیر سیماب کے چہیتے شاگرد صمد یار خاں ساغر نظامی تھے۔ "پیمانہ" کے اجرا کی تاریخ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بقول سیماب (کلیم عجم ص ۱۶۶) ایسا موسم بہار ۱۹۲۳ء میں ہوا مگر راز چاندپوری کا کہنا ہے کہ "پیمانہ" جولائی ۱۹۲۳ء میں جاری ہوا (داستانِ چند ص ۸۴ بحوالہ پیمانہ مئی ۱۹۳۰ء) لیکن اعجاز صدیقی کے مطابق "پیمانہ" کا اجرا ۱۹۲۲ء میں ہوا۔ (شاعر نومبر ۱۹۶۵ء ص ۱۶)۔ ان بیانات میں راز چاندپوری کا بیان ہی معتبر اور قابل قبول ہے۔ "دارالتصنیف" کا قیام بھی ۱۹۲۳ء ہی میں عمل میں آیا۔

راز چاندپوری نے ۲۲ دسمبر ۱۹۲۴ء کو جو خط ساغر نظامی کو لکھا (روحِ مکاتیب ص ۱۴۴) اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ "پیمانہ" "اپنے اندازِ تحریر

---

[1] شاعر فروری ۱۹۶۶ء میں قیام "قصر الادب" کا سال غلطی سے ۱۹۲۲ء لکھا گیا ہے۔

میں ایک مخصوص طرز کا موجد" تھا اور اس وقت تک" وہ دورِ اول اور دوم" سے گزر چکا تھا۔ حالانکہ "پیمانہ" کا دورِ اول ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۵ء تک اور دورِ دوم ۱۹۲۶ء سے شروع ہوا (داستانے چند ص ۴۸۔ بحوالہ "پیمانہ" مئی ۱۹۳۰ء) راز کے اسی خط سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اودھ پنچ نے پیمانہ پر کوئی حملہ کیا تھا جس کی تفصیل مہیا نہیں۔ شاعر فروری ۱۹۶۶ء کے مطابق ۱۹۲۲ء میں "نگار" آگرہ سے نکلتا تھا لیکن راز چاند پوری کا بیان ہے (داستانے چند ص ۴۸) کہ "نگار" ابتداءً بھوپال سے جاری ہوا تھا اور آگرہ میں چھپتا تھا اُس وقت نیاز فتح پوری دفتر تاریخ بھوپال میں ملازم تھے۔ "اودھ پنچ" کے ۴ دسمبر ۱۹۲۴ء کے شمارے میں "نیاز فتحپوری کو بھی آڑے ہاتھوں لیا" گیا تھا۔ (روحِ مکاتیب ص ۱۴۷)

۱۹۲۵ء یا ۱۹۲۶ء میں جموں (کشمیر) میں ایک آل انڈیا مشاعرہ ہوا سیماب اور ساغر بھی مدعو تھے۔ لاہور سے تاجور نجیب آبادی اور بعض دوسرے حضرات بھی تشریف لائے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لاہور اُردو علم و ادب کا ایک بڑا اور اہم مرکز بن چکا تھا۔ ڈاکٹر اقبال، سر عبدالقادر، میاں بشیر احمد، خواجہ دل محمد، محمد الدین تاثیر، عبدالمجید سالک بدری ناتھ سدرشن۔ ظفر علیخاں، حکیم یوسف حسن ایسے تخلیق کاروں اور ادب نوازوں کی موجودگی، مخزن، ہمایوں اور نیرنگ خیال ایسے رسائل کے ذریعہ معیاری ادب کی نشو و نما اور اشاعت، غرض کہ ان تمام چیزوں نے مل ملا کر بڑے شد و مد سے اہلِ علم و نظر کو لاہور کی طرف متوجہ ہوتے پر

مجبور کر دیا تھا۔ انہی دنوں بعض ادب دوستوں نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ بے تحاشا تخلیقاتِ اُردو نظم و نثر میں سے ایسے شاہکار انتخاب کر کے الگ الگ جلدوں میں شائع کئے جائیں جن سے اُردو ادب کی صحیح سمت کی نشاندہی ہو سکے اور جنہیں نصابِ تعلیم میں شامل کر کے بچوں کو پڑھایا جا سکے۔ چنانچہ تاجور نجیب آبادی کی سربراہی میں ایک ادارہ "اردو مرکز" قائم کیا گیا جس کی تالیفات وغیرہ کی طباعت و اشاعت کی ذمہ داری عطر چند کپور اینڈ سنز نے اپنے اوپر لے لی۔ اس ادارے کا کام ۱۹۲۶ء تک ختم ہو گیا۔ اس کام کے لئے تاجور نے اصغر گونڈوی، جگر مراد آبادی اور یاس یگانہ کو لاہور بلا لیا تھا۔ فہرست کارکنان اُردو مرکز میں سیماب کا نام بھی شامل تھا۔ (منتخب افسانے جلد اوّل ص ۱۷)

محولہ بالا مشاعرہ میں تاجور نے سیماب کو بھی لاہور آنے کی دعوت دی بلکہ مشورہ دیا کہ وہ اپنی بزنس کو آگرہ سے لاہور منتقل کر لیں۔ بعض دوسرے احباب نے بھی اس تجویز کی تائید کی۔ علاوہ ازیں مولوی فیروز الدین (مالک فیروز پرنٹنگ ورکس لاہور کو مثنوی مولانا رومؒ کے اُردو منظوم ترجمے کی فکر لاحق تھی اور اس کام کے لئے وہ امیر مینائی (جو حیدر آباد میں مقیم تھے) کو دعوت دے چکے تھے مگر بسبب ضعف و ضعیفی امیر نے اس کارِ عظیم کی تکمیل سے معذوری ظاہر کی تھی۔ اس کام کے لئے غالباً فوق کشمیری نے سیماب کا نام تجویز کیا تھا۔ چنانچہ جموں میں بالمشافہ گفتگو کے دوران فیروز الدین نے سیماب کو دعوت دی۔ آگرہ واپس

ہو کر اور اپنے بعض دیگر تلامذہ واحباب سے مشورہ کر کے سیماب نے تاجور اور فیروز الدین کی دعوتِ لاہور قبول کر لی۔

مارچ یا اپریل ۱۹۲۶ء میں سیماب، ساغر نظامی اور اپنے اہل و عیال کو لے کر لاہور پہنچ گئے۔ "قصر الادب" اور "پیمانہ" کو بھی آگرہ سے لاہور منتقل کر دیا (شاعر آگرہ اسکول نمبر سالنامہ ۱۹۳۷ء ص ۴۴۳) اور ریّتی دروازہ کے باہر دو مکان کرائے پر لے لئے۔ ایک رہائش اور دوسرا دفتر کے لئے۔ مگر وہ لاہور میں پانچ چھ ماہ سے زیادہ نہ رہ سکے۔ سبھی جانتے ہیں کہ پنجابی میں صوبائی تعصب نہ ہونے کے برابر ہے۔ لیکن وہ یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ اُس کے احساس برتری کو کسی طرح مجروح کرنے کی کوشش کی جائے۔ دہلی اور یو۔پی والوں کو اپنی زبان دانی پر ہمیشہ ناز رہا اور ہے۔ وہ دوسرے صوبوں کے ادیبوں اور شاعروں کی زبان و بیان میں غلطیاں نکالنے سے بھی نہیں چوکتے۔ بہت ممکن ہے کہ سیماب اور ساغر نے بھی احتیاط نہ برتی ہو۔ علاوہ ازیں حفیظ جالندھری اور ساغر نظامی کے درمیان مشاعرے مترنم کلام کی مقابلہ گاہیں بن گئے تھے اور حفیظ کو پنجاب کی ادبی فضا میں جو اثر و رسوخ حاصل تھا وہ سیماب کی پشت پناہی کے باوصف ساغر کو نصیب نہ ہو سکا۔ لاہور نے علم و ادب میں بیش بہا اضافے کئے مگر اہل زبان کو محض اہل زبان جان کر قبول نہیں کیا۔ اس ضمن میں یاس یگانہ کے مجموعۂ کلام "ترانہ" پر تبصرہ کرتے ہوئے سیماب لکھتے ہیں۔ (شاعر جون ۱۹۳۴ء) "وہ حقیقت

یہ ہے کہ لاہور کے زمانۂ قیام میں سرمایہ داران پنجاب نے میرزا یاس کو کچھ ایسا ہی ستایا تھا کہ ان کا زندہ رہ جانا تعجبات سے تھا۔" کاش کہ سیماب کی دُور رس نگاہیں اس نکتے تک پہلے پہنچی ہوتیں۔ ایسا نہیں ہوا اور ان کا سفرِ لاہور ناکام رہا۔ بیشتر ارباب علم و ادب ان سے بدظن بھی ہوئے اور جب وہ لاہور سے رخصت ہوئے تو اپنے پیچھے دوست کم اور دشمن زیادہ چھوڑ آئے۔ اہل پنجاب کی یہ سیماب دشمنی آگے چل کر سیماب کو کافی مہنگی پڑی اور سچ تو یہ ہے کہ خود انہوں نے بھی اس مخالف فضا کو ہموار و خوشگوار بنانے کے لئے کوئی عملی قدم کسی وقت نہیں اٹھایا۔ شاید وہ مصلحتی مصالحت یا سمجھوتے کے قائل ہی نہ تھے۔ مزید برآں لاہور کی آب و ہوا بھی انہیں راس نہ آئی۔ چنانچہ "قصر الادب" اور "پیمانہ" کو اٹھا کر اور ساغر اور اہل و عیال کو ہمراہ لے کر وہ اگست یا ستمبر ۱۹۲۶ء میں واپس آگرہ پہنچ گئے۔ اس اتھل پتھل سے سیماب کی اقتصادی حالت جو کبھی اچھی نہیں رہی زیادہ خراب ہو گئی۔ بقول راز چاندپوری (داستانے چند ص ۹۱) "لاہور جانا اور ناکام ہو کر واپس آنا سیماب کی زندگی کا بہت بڑا المیہ تھا۔"

دورانِ قیام لاہور سیماب نے جو بڑا اور اہم ادبی کارنامہ انجام دیا وہ ہے مثنوی مولانا رومؒ کا اردو منظوم ترجمہ۔ یہ کام شروع تو لاہور میں ہوا مگر ختم اس وقت ہوا جب سیماب واپس آگرہ پہنچ چکے تھے۔ "الہام منظوم" کا پہلا دفتر اکتوبر ۱۹۲۸ء میں شائع ہو کر سیماب کو لاہور سے

دستیاب ہوا تو سیماب نے ایک خط مورخہ ۸ اکتوبر ۱۹۴۸ء (روحِ مکاتیب ص ۱۶۳ و ۱۶۴)، ساغر نظامی کو لکھا جس میں بتایا کہ دفتر کے سرِ ورق پر محض "مرتبہ مولوی فیروز الدین" لکھا ہوا ہے اور مترجم کا نام نہیں دیا۔ البتہ دیباچے میں سیماب کا ذکر کچھ اس طرح کیا گیا ہے "تاآخر رفتہ رفتہ میری نگاہِ انتخاب جناب شیخ عاشق حسین صاحب سیماب صدیقی الوارثی اکبرآبادی پر پڑی جو شعرائے عصر میں ایک استادانہ درجہ و مرتبہ رکھتے ہیں چنانچہ معقول معاوضہ پر انہوں نے ترجمہ شروع کیا مگر کام ہمت شکن اور صبر آزما ہونے کے علاوہ وہ تنہا حضرتِ سیماب کے بس کا نہ تھا.... آخرکار یہ ترکیب کی گئی کہ وہ ترجمہ کرتے اور میں اسے لفظاً قال سے حال میں لانے کی زہرہ گداز کوشش کرتا"، ساغر نظامی لاہور میں تمام مدت سیماب کے ساتھ رہے۔ اس لئے اس سلسلے میں ان کا بیان وقیع اور معتبر ہونا چاہیے۔ وہ "روحِ مکاتیب" میں محولہ بالا خط کے ساتھ حاشیے میں لکھتے ہیں کہ

"یہ شدید غلط بیانی اور تاریخی حق تلفی ہے - ساقولہ(؟)
دفتر کا ترجمہ صرف مولانا سیماب نے تنہا کیا ہے۔ رہی نام نہاد ترمیم و تنسیخ سو طبع زاد مثنوی میں عقلی طور پر اس کا امکان ہے۔ مگر ترجمہ میں ممکن نہیں۔ اس لئے لفظاً لفظاً قال سے حال میں لانے کی زہرہ گداز کوشش کرنا بعید از قیاس دعوی ہے۔"

لیکن اس بیان کے باوجود مالک رام رقمطراز ہیں (تحریر جولائی تا

ستمبر ۱۹۷۵ء ص ۹۶) کہ

"مثنوی مولانا روم کا منظوم ترجمہ سیماب اکبرآبادی (ف جنوری ۱۹۵۱ء) نے کیا تھا۔ اس کے لئے مشہور ناشر مولوی فیروزالدین (لاہور) (ف اپریل ۱۹۴۹ء) نے انہیں دو پیسے فی شعر معاوضہ دیا تھا۔ سیماب بیچارے بھی کیا کرتے۔ انہیں روپے کی ضرورت تھی۔ بیماری کی حالت میں بھی انہوں نے اس کے پانچ دفتر کا ترجمہ مکمل کر دیا اور اس کے بعد کام چھوڑ دیا (محمد عبدالحکیم خاں) نشتر جالندھری (ف جون ۱۹۷۵ء) نے نہ صرف اس ترجمے پر نظرِ ثانی کی بلکہ خود چھٹے دفتر کا ترجمہ اضافہ کر کے کتاب مکمل کر دی۔ یہی ترجمہ بعد کو الہام منظوم کے عنوان سے مولوی صاحب موصوف کے نام سے فیروز الدین اینڈ سنز کی طرف سے شائع ہوا"

اس طرح یہ بات مسلمہ ہو جاتی ہے کہ مثنوی کے پانچ دفتر کا ترجمہ سیماب ہی نے کیا اور اس ترجمے میں ترمیم و تنسیخ نشتر جالندھری نے کی اور چھٹے دفتر کا ترجمہ نشتر نے کیا۔ یقیناً سیماب ہی کی طرح نشتر نے بھی یہ کام معاوضہ لے کر کیا ہوگا۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ جب مولوی موصوف نے سیماب کا ذکر کیا ہے تو نشتر کا ذکر کیوں نہیں کیا بلکہ انہوں نے تو یہ لکھا ہے کہ ترمیم و تنسیخ کا کام خود انہوں نے کیا ہے۔ بہرحال بعد میں اس ترجمے کے سبھی دفتر سیماب کے نام سے شائع ہوئے۔

لاہور میں سیماب نے کئی مشاعرے پڑھے ہوں گے مگر "شاعر کی راتیں"
میں انہوں نے محض ایک مشاعرے کا ذکر اس طرح کیا ہے

(مشاعرہ ۹ جون ۱۹۴۵ء عمر ۶۶ برس)

"اسلامیہ کالج میں عید پر مشاعرہ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ
اتفاق سے میں، اصغر صاحب گونڈوی، جگر مرادآبادی،
مرزا یاس عظیم آبادی اور ساغر نظامی سب لاہور ہی میں
موجود تھے۔ مشاعرے میں ہم سب کو بہ اصرار و احترام مدعو
کیا گیا۔ سر محمد شفیع مرحوم صدرِ مشاعرہ تھے۔ مرزا یاس کا
نمبر آیا تو نام پکارا گیا۔ مرزا صاحب ڈائس پر پہنچے۔ ہال طلباء
اور سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ کہیں تل رکھنے کو
جگہ نہ تھی۔ مرزا صاحب کے آتے ہی فضا خاموش ہو گئی
مرزا صاحب نے شعر پڑھنے کی فرمائش پہلے حسب عادت
گنگنانا شروع کیا۔ کسی قدر لے کے ساتھ۔ اس پر مجمع نے
قہقہہ لگایا۔ صدر صاحب نے سب کو خاموش کیا اور مرزا
صاحب سے فرمایا کہ ہاں بسم اللہ۔ مرزا صاحب نے پھر
اسی لے کے ساتھ گنگنانا شروع کیا اور مجمع پھر غیر سنجیدہ
ہو گیا۔ کسی نے کہا بھی کہ مرزا صاحب شعر پڑھیے گنگنایئے
نہیں۔ آخر سر شفیع نے مجمع پر بمشکل پھر قابو پا لیا اور جب سب
خاموش ہو گئے تو مرزا صاحب سے کہا کہ ہاں بسم اللہ۔

مرزا صاحب نے اب بھی فضا کو نہ سمجھا اور بجائے غزل پڑھنے کے
ٹھہرائے کے ساتھ گنگنانا شروع کر دیا۔ مجمع پھر بے قابو ہو گیا
شور اور سیٹیوں سے ہنگامہ برپا ہونے لگا۔ اب کے تو صدر
صاحب کو بھی ہنسی آ گئی۔ سالک صاحب اور دوسرے حضرات
بھی ہنسنے لگے۔ یہ حال دیکھ کر مرزا صاحب ڈائس سے
اُتر آئے اور جوتے بغل میں داب کر مشاعرے سے واپس
چلے گئے۔ اصغر صاحب اور جگر صاحب نے بھی (غالباً
ہم صوبہ ہونے کے خیال سے) اُن کا ساتھ دیا۔ مگر ہم
وہیں بیٹھے رہے۔"

۱۹۳۷ء کے آغاز میں سردار دیوان سنگھ مفتون نے سیماب کو دہلی
آنے کی دعوت دی جسے قبول کر کے وہ دہلی چلے آئے۔ یہاں آ کر انہوں
نے چند پرچے ہفت روزہ 'ریاست' کے ایڈٹ کئے۔ دہلی میں سیماب
کا قیام جامع مسجد نیو بلڈنگ میں رہا (روح مکاتیب ص ۷۰) جہاں
انہوں نے "دار التصنیف" کے نام سے ایک ادارے کی بنیاد ڈالی۔
وہ 'ریاست' میں زیادہ دن کام نہ کر سکے۔ غالباً یہ فضا اُن کی طبیعت
کے موافق نہیں تھی۔ چنانچہ 'ریاست' سے الگ ہو کر ان کو دہلی میں رہنے
کے لئے کام کی تلاش ہوئی اور اس بات کا ذکر ساغر نظامی نے خواجہ
حسن نظامی سے کیا تو خواجہ نے ساغر کو اپنے خط مورخہ ۲ مارچ ۱۹۳۸ء
(روح مکاتیب ص ۲۰۸) میں اطلاع دی کہ کافی خورد و نوش کے بعد

وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اگر ساغر و سیماب ایک ہی کام پر اپنی توجہ مرکوز
کر دیں تو ان کے دہلی میں رہنے کی صورت نکل سکتی ہے۔ کام کی وضاحت
کرتے ہوئے خواجہ نے بتایا کہ سیماب تنظیم مساجد اور ساغر عورتوں کی
آزادی کے تعلق سے روزانہ ایک ایک نظم کم سے کم سولہ اشعار کی تیار
کر لیں تو ان کو ہر نظم کی اجرت دو روپے کے حساب سے مل جائے گی۔
(شاعر نومبر ۱۹۶۵ء میں اعجاز لکھتے ہیں کہ سیماب کو فی نظم بیس روپے
معاوضہ مل جاتا تھا) "روحِ مکاتیب" کے صفحہ ۵۷ پر ایک خط ارشد
تھانوی کا ہے جو انہوں نے سیماب اور ساغر کو دہلی کے پتے سے لکھا
تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیماب جون ۱۹۲۸ء تک دہلی میں تھے۔
چنانچہ اب معلوم ہوتا ہے کہ سیماب نے خواجہ حسن نظامی کی پیشکش منظور
کر لی تھی۔ "پیمانہ" کا ایک شمارہ جنوری ۱۹۲۸ء بھی دہلی سے شائع ہوا۔
لاہور کی طرح دہلی میں بھی سیماب زیادہ دن نہیں ٹھہرے اور اب جو وہ
آگرہ واپس ہوئے تو پھر وہاں سے نکلنے کا ارادہ ہی نہیں کیا۔
"شاعر کی راتیں" میں دہلی کے ایک ایسے مشاعرے کا ذکر ملتا ہے
جس میں سیماب غالباً دورانِ قیام دہلی شریک ہوئے تھے۔ اس مشاعرے
کا حال انہی کی زبانی سنیئے۔ (شاعر مارچ و اپریل ۱۹۳۵ء ص ۲۱۳)

"دِلّی محلہ چوڑیوالان میں ارشاد صاحب شاہجہاں پوری
نے ایک مشاعرہ پڑھوایا تو حضرت سائل دہلوی کو اور
مجھے بھی زبردستی کھینچ بلایا۔ صحبت معمولی تھی مگر بہت

صاف ستھری۔ ارشاد صاحب کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جب ان کا نمبر آیا تو مرزا عزیز لکھنوی کی پوری غزل اپنے مقطع سے پڑھ دی۔ اثنائے غزلخوانی میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں۔ بعض لوگوں نے ہجو ملیح شروع کر دی اور داد دینے میں غلو سے کام لیا۔ مگر ارشاد صاحب کسی کی کب سنتے تھے۔ پوری عزیز صاحب کی پڑھ گئے۔ معاملہ سائل صاحب اور مجھ تک پہنچا۔ ہمیں مجبوراً کہنا پڑا کہ یہ غزل عزیز لکھنوی کی ہے مگر ارشاد صاحب کب ماننے تھے۔ آخر جب "گلکدہ" دکھایا گیا تو ایسے سٹ پٹائے کہ مشاعرہ میں بیٹھنا دوبھر ہو گیا۔ اگر مشاعرہ انہی کے گھر نہ ہوتا تو شاید رسی تڑا کر بھاگ جاتے مگر اس کے بعد میں جب تک دہلی رہا۔ ارشاد صاحب نے مشاعرہ یا شاعری کا نام نہ لیا اور نہ کبھی آنکھ ملا کر بات کی۔"

(پانچ)

سیماب کے یہاں چھ بچّے پیدا ہوئے۔ دو لڑکیاں اور چار لڑکے۔ سب سے بڑی لڑکی حسینہ خاتون ۱۹۱۹ء میں اللہ کو پیاری ہو گئی۔ دوسری بچی جمیلہ خاتون غالباً ۱۹۰۶ء یا ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئی۔ اُس کی شادی امیر الدین حیدر سے کردی گئی جو بی اینڈ سی آئی ریلوے میں گارڈ تھے۔ ۹ راگست ۱۹۳۷ء کو جمیلہ خاتون پندرہ دن بیمار رہ کر اور تین بچے چھوڑ کر انتقال کر گئی۔ مئی ۱۹۴۷ء میں امیر الدین حیدر بھی مرضِ دق سے جاں بحق ہو گیا۔ اُن کی ایک بچی اور داماد اس وقت بھی آگرہ میں موجود ہیں۔ سیماب کے باقی چار بچوں میں سب سے بڑے شمشاد حسین منظر صدیقی (۱۹۱۹ء تا ۱۹۷۱ء) تھے اور پھر ترتیب وار اعجاز حسین صدیقی (۱۹۱۲ء تا ۱۹۷۸ء) سجاد حسین صدیقی (۱۹۱۷ء تا ۱۹۶۷ء) اور مظہر حسین صدیقی، آخر الذکر اس وقت کراچی (پاکستان) میں مقیم ہیں۔

منظر صدیقی کا بچپن کانپور، اجمیر شریف اور ٹونڈلہ میں بیتا۔ جب سیماب ٹونڈلہ کی ملازمت سے مستعفی ہو کر آگرہ واپس آئے تو منظر کی عمر تیرہ چودہ برس کی تھی۔ اُن کی صحت شروع ہی سے

خراب رہتی تھی اسی لئے وہ باقاعدہ اور مسلسل تعلیم حاصل نہ کر سکے البتہ اُردو اور فارسی میں انہوں نے کافی مہارت پہنچالی تھی اور وہ صغر سنی ہی میں دارالمنظمہ کے علمی و ادبی کاموں میں حصہ لینے لگے تھے جس کی وجہ سے سیماب کو تصنیفی اور تالیفی کاموں کے لئے زیادہ وقت مہیا ہو گیا۔ منظر کی شادی کر دی گئی اور ۷ اپریل ۱۹۳۸ء کو اُن کے یہاں ایک لڑکا یوسف اختر پیدا ہوا۔ لڑکے کی عمر صرف پانچ برس کی تھی کہ اس کی والدہ ۱۳ ستمبر ۱۹۴۳ء کو اُسے چھوڑ کر راہی ملکِ بقا ہو گئی۔ اس کے بعد منظر نے دوسری شادی کر لی۔ فروری ۱۹۳۸ء میں اعجاز حسین اور سجاد حسین کی شادی کر دی گئی اور ۱۹۴۴ء میں مظہر حسین کی شادی کر کے سیماب اپنے سماجی فرائض سے سبکدوش ہو گئے۔ جیسے جیسے کنبہ بڑھتا گیا ویسے ویسے سیماب کے کام کی مقدار میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ ۲۴ گھنٹوں میں سترہ اٹھارہ گھنٹے کام کرتے رہنا اُن کی فطرتِ ثانیہ بن گئی ان کو صحیح طور سے ادبی مزدور کہا جا سکتا ہے کیونکہ یہی وہ زمانہ تھا۔ جب خود اردو زبان اور اُردو ادیبوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ پریم چند کو اُردو افسانوں کا معقول معاوضہ نہیں مل سکا تو اُن کو مجبوراً ہندی ادب کی طرف پلٹ جانا پڑا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں سیماب کو نظموں، غزلوں وغیرہ کی اتنی اُجرت کہاں مل سکتی تھی کہ وہ اپنا اور اپنے کنبے کا اُس سے گزارہ کر سکتے۔ اُن کے شاگردوں کی تعداد بہت کافی اور روزافزوں

تھی مگر شاگردوں سے یہ کیا اُمید کی جاتی، خاص طور سے ایسے زمانے میں جب اُستادی شاگردی کی رسم کے خلاف احتجاج کیا جارہا تھا۔ سیماب کے سامنے بس ایک ہی راستہ تھا اور وہ اُسی راستے پر چل پڑے یعنی وہ صحافی بن گئے "دارالتصنیف" کی جانب سے انہوں نے اُجرت پر دوسروں کے نام سے نثری اور شعری کتابیں تصنیف کیں۔ چنانچہ سیماب کے سبب کئی لوگ نہ صرف ادیب و شاعر بن گئے بلکہ صاحبِ کتاب بھی ہوگئے، ایسی شعری و نثری تصانیف جو سیماب نے دوسروں کے لئے لکھیں اور انہیں فروخت کردیا۔ اُن کے نام سے شائع نہیں ہوئیں اب ان کتابوں کو سیماب کی تصانیف میں شمار کرنا ادبی اور سماجی بددیانتی ہوگی اور پھر یہ بھی تو نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کتابیں جب شائع ہوکر آئیں تو ویسی ہی تھیں جیسی سیماب نے لکھی تھیں یا اُن میں ترمیم و تنسیخ کی جاچکی تھی۔ سیماب کے کچھ چہیتے شاگرد بھی تھے اور کہا جاتا ہے کہ سیماب کے عہدِ جوانی کا بیشتر کلام اُن کے ایسے شاگردوں کے دواوین میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ بقول کسے جو ظلم اور ناانصافی سیماب کے دادا استاد ذوقؔ نے غالبؔ پر کی تھی وہ سیماب نے بھی روا رکھی۔ اس غلطی کا نتیجہ ذوقؔ نے بھی بھگتا اور سیماب کو بھی بھگتنا پڑا۔

قصرالادب کی جانب سے ایک ہفت روزہ اخبار "تاج" جنوری ۱۹۲۹ء میں جاری کیا گیا (داستانِ چند ص ۸۶) یہ پرچہ بہت جلد علمی ادبی اور سیاسی حلقوں میں مقبول ہوگیا۔ "تاج" کا ایک شمارہ

(شاید ۱۹۳۰ء میں۔ داستاں نے چند ص ۸۶) تمام و کمال منظوم تھا اور "الہام منظوم" کے بعد سیماب کا یہ دوسرا عظیم الشان کارنامہ تھا جس نے اُن کی قوتِ شعرگوئی کی دھاک بٹھا دی حالانکہ اس سے پیشتر منشی دوارکا پرشاد افق لکھنوی بھی "نظم اخبار" میں منظوم خبریں اور واقعات شائع کیا کرتے تھے (لمعاتِ افق ص ۵۸)

"تاج" کے ذریعے سیماب کو اپنے تہذیبی، سماجی اور سیاسی خیالات و نظریات کے اظہار کا موقع ملا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس طرح اُن کو حالاتِ حاضرہ کو سمجھنے پرکھنے اور نئے رجحانات و میلانات پر غور و فکر کرنے کی ضرورت بھی پیش آئی۔ اس سمجھ بوجھ اور غور و فکر کے واضح اثرات اُن کے اُس وقت کے اور بعد کے کلام میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ "تاج" کی ایک خصوصیت اُس کا منظوم صفحہ "ہمارا پیام" تھا جسے سیماب رباعیوں اور قطعوں سے سجاتے تھے اور جو ہفتے کے واقعات و شخصیات وغیرہ پر شاعرانہ تبصرہ ہوتا تھا ان خوبیوں کے باوجود "تاج" زیادہ دن نہ چل سکا اور سیماب کی اقتصادی مشکلات ۱۹۳۵ء میں (شاعر مارچ، اپریل ۱۹۳۵ء) اُس کو لے ڈوبیں، راز چاند پوری کا کہنا کہ تاج ۱۹۳۳ء تک جاری رہا۔ (داستاں نے چند ص ۸۶) درست نہیں۔ یہی مشکلات ۱۹۳۲ء میں ماہنامہ "پیمانہ" کے بند ہونے کا باعث بن چکی تھیں۔ غالباً اسی زمانہ میں سیماب نے ایک اور ماہنامہ "ثریا" بھی جاری کیا تھا جس کا حشر بھی "تاج" اور "پیمانہ" سے مختلف نہیں ہوا۔

اس سے پہلے یعنی ۱۵ فروری ۱۹۳۰ء کو سیماب نے اپنی نگرانی اور منظر صدیقی کی ادارت میں آگرہ سے نیم ماہی (پانزدہ روزہ) رسالہ "شاعر" کا پہلا پرچہ جاری کیا (داستان نے چند ص ۸۶ اور شاعر یکم فروری ۱۹۳۲ء) دو سال کے بعد مارچ ۱۹۳۲ء سے شاعر کو ماہانہ کر دیا گیا۔ اور پرچے کی خراب مالی حالت کو دیکھتے ہوئے سیماب نے ستمبر ۱۹۳۳ء میں منظر صدیقی کو اس سے علیحدہ کر دیا اور ادارت کی ذمہ داری خود سنبھال کر انتظامی امور اعجاز صدیقی کے ہاتھ میں دیدیے۔ بعد میں شاعر کا ڈیکلریشن بھی اعجاز صدیقی کے نام لے لیا گیا اور ستمبر ۱۹۳۵ء کے بعد تو اعجاز صدیقی کو مدیر شاعر مقرر کر دیا گیا۔ راز چاندپوری کا بیان کہ اعجاز صدیقی ۱۹۳۳ء میں شاعر کے ایڈیٹر بنے (داستان نے چند ص ۸۶) کسی غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ اس طرح شاعر کچھ مدت سیماب ہی کی نگرانی میں جاری رہا لیکن آخر کار شاعر سے اُن کا نام بطور نگراں ہٹا لیا گیا اور تمام تر ذمہ داری شاعر کی اعجاز صدیقی پر چھوڑ دی گئی۔ منظر صدیقی نے شاعر اور قصر الادب وغیرہ کے انتظامی امور کو سنبھالا۔ جبکہ سجاد صدیقی ایک اچھے آرٹسٹ کی حیثیت سے اُبھرے۔

شاعر (اگست وستمبر ۱۹۳۳ء ص ۷) میں سیماب نے شاعر کے اجرا کا مقصد و منشا یوں بیان کیا ہے۔

"شاعر جس نوعیت اور خصوصیت کے ساتھ اہلِ ذوق،

ابنائے وطن کی خدمت اور آبائے وطن کی حمایت و حفاظت کر رہا ہے۔ شاید ہی کوئی موزوں طبع انسان اس سے ناواقف ہو۔ ۱۹۳۰ء سے اب تک یعنی ڈھائی سال کی مدت میں شاعر نے اپنی خصوصی نوعیتِ کار سے وہ اسرار خزف ریزوں کی طرح دنیا کے سامنے بکھیر دیے جو استادانِ فن اپنے شاگردوں کو ایک جگہ میں بھی نہیں بتاتے۔ شاعر نے "مناظمے" اور "مناشرے" کو رواج دیکر ان لوگوں میں بھی نثر و نظم لکھنے کا مذاق پیدا کر دیا جو "غزل" کے سوا کسی دوسرے صنفِ سخن کا نام لینا بھی گناہ سمجھتے تھے۔ "شاعر" نے "اصلاحِ سخن" کے سلسلے میں توجیہہ اصلاح پیش کر کے استادانِ فن کو اصلاح دینے میں زیادہ محتاط بنا دیا.... شاعر نے رفتہ رفتہ "آگرہ اسکول" کے نصب العین کا رایت نصب کر کے تغزل میں وہ رنگ پیدا کر دیا جو آج سے پہلے شعرا کو نصیب نہ تھا اور شاعر نے املا، انشا، تخیل اور معانی و بیان کی ایسی تشریح و اصلاح کی کہ دشوار سے دشوار فنی رموز بھی طلبائے شاعری کے سامنے پانی ہو کر بہنے لگے۔"

"شاعر" کی کہانی بہت طویل ہے۔ یہ پودا جسے سیماب نے اپنے مبارک ہاتھوں سے نائی منڈی آگرہ کی مردم خیز زمین میں لگایا تھا آج

باون برس کا نادر اور گھنا سایہ دار درخت بن کر بمبئی سے اردو شعر و ادب
کی تاریخ ساز خدمت کر رہا ہے۔ اس دوران میں اُس کی ہیئت اور
پالیسی میں رفتارِ زمانہ کے ساتھ ساتھ کئی تبدیلیاں آئیں۔ کبھی وہ
اصلاح و اجتہاد کا حامی رہا تو کبھی صحت مند ادب کا ترجمان رہا اور پھر جب
تقسیمِ ملک کے بعد کے بحرانی حالات نے اعجاز صدیقی کو فروری ۱۹۵۱ء
(کراچی میں سیماب کی وفات کے فوراً بعد) آگرہ چھوڑ کر بمبئی کو اپنا
مرکز بنانے پر مجبور کر دیا تو "شاعر" کی پالیسی میں ایک عجیب و غریب
تبدیلی رونما ہوئی، جس کے تحت اُس نے ترقی پسند ادب کو بھی سمیٹ
لیا۔ اس بات کا ایک بین ثبوت یہ ہے کہ مہندر ناتھ جون ۱۹۵۳ء
میں ادارۂ شاعر میں شریک ہوئے اور ۱۹۷۴ء یعنی اپنی موت تک
شریکِ مسند رہے۔

اپنی عمرِ دراز میں "شاعر" نے اردو ادب کے خزانے میں بڑے
اور اہم سالناموں اور خصوصی نمبروں کے ہیرے جواہرات کا اضافہ
کیا۔ "کارِ امروز" نمبر ۱۹۳۵ء، آگرہ نمبر ۱۹۳۶ء، آگرہ اسکول نمبر
۱۹۳۷ء، خواتین افسانہ نگار کا افسانہ نمبر ۱۹۴۵ء، مشاعرہ نمبر ۱۹۵۰ء
خاص نمبر ۱۹۵۳ء، افسانہ نمبر ۱۹۵۴ء، خاص نمبر ۱۹۵۸ء۔۔۔
کرشن چندر نمبر ۱۹۶۷ء، افسانہ و ڈرامہ نمبر ۱۹۶۸ء، مہاتما گاندھی نمبر
۱۹۶۹ء، غالب نمبر ۱۹۶۹ء، ناولٹ نمبر ۱۹۷۱ء، قومی یکجہتی نمبر ۱۹۷۲ء
سیماب اکبر آبادی نمبر ۱۹۷۶ء، ہمعصر اردو نمبر ۱۹۷۷ء، خلیل الرحمٰن اعظمی نمبر

۱۹۸۰ء، افسانہ نمبر ۱۹۸۱ء، ایک شمارہ ۱۹۸۰ء، سرنامہ ۱۹۸۱ء اور ۱۹۴۹ء، ۱۹۵۰ء، ۱۹۵۱ء، ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۲ء کے رسالے اہل الرائے کے مطابق ان میں سے بیشتر نمبر نہایت کامیاب اور مثالی ہیں۔ اور تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تقسیم ملک کے بعد ہندوستان کے خالص ادبی رسائل میں شاعر کو ممتاز درجہ حاصل ہے۔

...

(چھ)

حادثۂ موریائے مان ندی کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں ۔ کیونکہ سیماب کی زندگی میں یہ ایک ایسا حادثہ تھا جس نے اُن کے نظریۂ حیات اور فکرِ شعر کو متاثر کیا ۔ انہوں نے اس حادثہ کی اطلاع اپنے تمام عزیز ترین شاگردوں کو دی ۔ نثار اٹاوی لکھتے ہیں (نقوش لاہور شخصیات نمبر) کہ "مولانا کو قدرت کے مناظر سے بڑی دلچسپی تھی ... مگر انہیں بوجوہ دریا اور ساحل سے نفرت تھی ۔ ایک مرتبہ جب میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ مناظرِ دریا سے نفرت کا سبب ایک کمپلکس (complex) ہے" جو صریحًا اسی حادثہ کی دین ہوسکتا ہے۔ اس حادثے کا ذکر سیماب نے اپنے مکتوب مورخہ ۲ اگست ۱۹۳۲ء میں کیا جو راقم الحروف کے نام لکھا گیا (سیماب بنام ضیا ص ۳۴) اور اُس کی تفصیل اُس خط میں ملتی ہے جو انہوں نے ساغر نظامی کو تحریر کیا ۔ (روحِ مکاتیب ص ۲۰۰) وہ تفصیل کچھ اس طرح ہے ۔

سی پی میں بلاسپور سے آگے ایک چھوٹی سی ریاست تھی ۔ سہارن گڑھ جو صحرائی اور کوہستانی علاقہ ہونے کے ساتھ ساتھ غیر آباد مقام بھی تھا ۔ وہاں دس ہزار کی آبادی میں کل پچاس مسلمان تھے

اور راجہ عجیب قسم کا جنگلی تھا۔ وہاں کی زبان بھی کچھ عجیب و غریب تھی۔ نائب دیوان البتہ مسلمان تھا۔ سہارن گڈھ پہنچنے کے لیے رائے گڈھ سے ۳۲ میل کا فاصلہ موٹر سے طے کرنا پڑتا تھا۔ راستہ کافی دشوار تھا۔ کئی پہاڑ اور تین ندیاں پار کرنی ہوتی تھیں۔

حسب دستور دوسرے ادارہ اداروں کی طرح جرائد و رسائل کی توسیع اشاعت اور تصانیف کی فروخت کی غرض سے سیماب بھی وقتاً فوقتاً ہندوستان کے مختلف صوبوں اور مقاموں کا دورہ کیا کرتے تھے۔ ۱۹۳۲ء میں اُن کا سی۔پی کا سفر بھی اسی مقصد سے تھا۔ اس سفر کے دوران ندیاں نہیں کوئی زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔ اسی اثنا میں ان کی مڈبھیڑ ایک بنگالی سے ہو گئی جس نے خود کو سہارن گڈھ کا پرائیویٹ سیکریٹری بنایا۔ اُس کی شان دیکھ کر اور اس کی باتوں میں آکر سیماب سہارن گڈھ چلنے پر آمادہ ہو گئے۔ وہ راستے کی دشواریوں، پہاڑوں اور ندیوں سے قطعی لاعلم تھے۔ بہرحال دعوت منظور کرکے وہ سہارن گڈھ کے لیے روانہ ہو گئے۔ پہاڑوں اور ندیوں سے گزر کر جب وہ سہارن گڈھ پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ بنگالی وہاں محض ایک کلرک تھا اور کوئی اثر نہیں رکھتا تھا۔ ان کی راجہ سے ملاقات ہوئی اور تھوڑی سی گفتگو انگریزی میں کر سکے۔ نائب دیوان کی سفارش اور کوشش کے باوجود راجہ خاموش رہا اور اس نے سیماب کے لیے کچھ کرنے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر

اگلے دن سیماب وہاں سے واپس روانہ ہو گئے۔ راستے میں پھر وہی پہاڑ اور ندیاں۔ سب سے پہلے مان ندی آتی تھی جسے عبور کر کے دو میل پیدل چلنا پڑتا تھا۔ اس کے بعد دھانہ ندی آتی تھی۔ اُس روز جنگلی ملاحوں نے فیصلہ کیا کہ دونوں ندیوں کو ایک بار ہی پار کر لیا جائے۔ کشتی بہت لمبی تھی اور پرانی بھی۔ دھانہ ندی کو خیریت سے عبور کرنے کے بعد کشتی مان ندی میں داخل ہوئی۔ مان ندی مغرب سے مشرق کو بہہ رہی تھی اور کشتی جنوب سے شمال کو جا رہی تھی۔ دریا کے بیچ پہنچتے ہی ایسی لہریں اٹھیں کہ کشتی اچھل اچھل گئی جس کی وجہ سے مسافروں کی بُری حالت ہوئی۔ دو چار مرتبہ اس طرح اچھلنے کے بعد آخر کشتی اُلٹ گئی اور تمام مسافر دریا میں جا گرے۔ اُس وقت سیماب کی آنکھیں بند تھیں، کان بہرے تھے اور لگتا تھا جیسے کوئی ان کو زمین کی طرف کھینچ رہا تھا۔ ملاحوں نے یہ دیکھ کر ایک بلّی دریا میں ڈال دی جسے تھام کر سیماب ڈوبنے سے بچ گئے۔ اتنے میں کشتی بھی اُن کے قریب آ گئی اور اُن کو اٹھا کر کشتی میں سوار کر دیا گیا اس طرح وہ موت کے منہ سے پلٹ آئے۔ حادثہ معمولی ہوتے ہوئے بھی ایک حساس شاعر کے دل پر اپنی خراشیں ہمیشہ کے لئے چھوڑ گیا۔

(سات)

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے۔ منظر صدیقی ۱۹۳۳ء میں شاعر سے الگ ہو گئے۔ اُن کی بیکاری دُور کرنے کی غرض سے ۱۹۳۴ء کے نصف آخر میں ایک ذاتی ادبی پریس اور ایک کتب خانہ قائم کر کے اُن کو سونپ دیئے۔ اور پریس قائم کرنے کا ارادہ سیماب کے ذہن میں اُس وقت سے کارفرما تھا۔ جب وہ ٹونڈلہ میں ملازم تھے (داستانِ چند ص ۸۳ حاشیہ) لیکن روز افزوں مالی نقصان کو دیکھتے ہوئے پریس اور کتب خانہ زیادہ دنوں نہیں چل سکے اور جنوری ۱۹۳۵ء میں دونوں کو بند کرتے ہی بنی۔ سیماب کا خواب اپنی تعبیر کی نذر ہو گیا اور اس سے وہ اتنا متاثر ہوئے کہ باپ کا دل بیٹے کے خلاف ہو گیا چنانچہ جب منظر صدیقی نے ۱۹۳۵ء میں آگرہ سے ماہنامہ "کنول" جاری کیا تو سیماب نے مئی و جون ۱۹۳۵ء کے شاعر میں اعلان کر دیا کہ "میں اپنے بعض تلامذہ و احباب کے استفسار پر یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ "کنول" یا "کنول" کے دائرے سے مجھے اور قصر الادب کو کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں اور نہ اُس کے متعلقات و مواقبات کا ضامن و ذمہ دار ہوں۔"

بد قسمتی سے ادارۂ "کنول" میں راقم الحروف کا نام بھی شامل تھا۔ جب سیماب کی نظر پڑی تو انہوں نے اپنے خط (سیماب بنام ضیا ص ۸۲) میں سرزنش کی کہ "کنول" کے متعلق میرے خیالات معلوم کرنے سے پہلے اُس کے ادارے میں شریک ہو جانا آپ کی عاجلانہ غلطی ہے۔ سُنئے میرا کنول سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جو لوگ کنول یا منظر سے کوئی تعلق رکھیں گے اُن سے بھی میرا کوئی تعلق نہ ہوگا۔" یہ دراصل وہ زمانہ تھا جب سیماب کے "اقتصادی حالات روز بروز خراب ہوتے جا رہے تھے۔" (مکتوبِ سیماب محررہ ۲۳ مارچ ۱۹۳۵ء سیماب بنام ضیا ص ۷۸) اور ان کی ذہنی و دلی کیفیت کا اندازہ اس ایک فقرے سے کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے راقم الحروف کے نام محولہ بالا خط (سیماب بنام ضیا ص ۷۹) میں لکھا ہے کہ "سود و زیاں زندگی کے نشیب و فراز ہیں۔ جب تک زندگی ہے ان مراحل سے گزرنا ناگزیر ہے۔" اسی زمانے میں سیماب کے عزیز ترین شاگرد صمد یار خاں ساغر نظامی نہ صرف استاد سے علیحدہ ہو گئے بلکہ استاد کے خلاف پروپیگنڈا بھی کرنے لگے تھے اور اُن کی یہ استاد دشمنی جو کئی برسوں سے اندر اندر چل رہی تھی کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ ساغر کی شاعرانہ تربیت اور پرورش میں سیماب نے جو حصہ لیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساغر سے ان کو دلی اور جذباتی اُنس ہو گیا تھا جس کا ایک ثبوت یہ ہے

کہ سیماب کا نام بغیر ساغر کے نہیں لیا جاتا تھا اور سیماب کی خواہش بھی یہی تھی کہ ساغر اُن کے پیش پیش رہیں۔ یہ دلوں کی باتیں ہیں۔ چنانچہ ساغر کی اعلانیہ جدائی سے سیماب کا زخم خوردہ دل بجھ سا گیا۔ اس پس منظر میں اگر سیماب کو اپنوں سے خوف آنے لگا تھا تو یہ کوئی حیرت کی بات نہ تھی۔ جب ۱۹۳۵ء میں راقم السطور میرٹھ چھاونی میں مقیم تھا اور اپنے گزشتہ پانچ سال کے ذاتی اور دوستانہ تعلقات کی بنا پر ساغر نظامی سے جو اُس وقت میرٹھ شہر میں رہتے تھے اکثر ملتا تھا تو سیماب نے اپنے ایک مراسلے میں اُس سے شکایت کی تھی مخالف کیمپ میں چلے جانے کی۔ حالانکہ درحقیقت ایسی کوئی بات نہ تھی اور یہ محض اُن کا وہم تھا۔

سیماب اپنے خاندان کے قدرتی سربراہ تھے اور اُس کی کفالت کا تمام بار اُنہی کے سر پر تھا۔ اس لئے "قصرالادب" "دارالتصنیف" اور "شاعر" کی ذمہ داریاں بھی انہیں پر تھیں۔ ویسے اب شاعر سے اُن کا تعلق صرف اشارہ کیا تھا کہ وہ ہر ماہ اُس کے لئے "ہمارا پیام" والے صفحے کی ترتیب و تکمیل کیا کرتے تھے۔ اُن کا پہلا مجموعہ کلام "نیستاں" کے نام سے ۱۹۲۵ء میں چھپا تھا۔ اُس کی تقریب خود سیماب نے لکھی تھی۔ بڑی تقطیع کے ۱۳۱ صفحات اور ستاون قدیم و جدید رنگ کی نظمیں، راز چاندپوری نے "نیستاں" کی تفصیل "داستانِ چند" کے صفحات ۵۰ تا ۵۹ میں دی ہے۔ لیکن

سیماب، اپنے اس مجموعے سے نامطمئن تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ "نیستاں" کی اشاعت میرے ساتھ ایک خوبصورت ظلم تھا جسے میں نے ہمیشہ تکلیف کے ساتھ محسوس کیا۔" (سیماب بنام ضیا ص ۳۷) چنانچہ ستمبر ۱۹۳۲ء میں انہوں نے "اُس زمانہ کا جائزہ لیا جب "پیمانہ" میری ملکیت اور ساغر صاحب کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۳۲ء تک نو برس میں میری صرف ۹ نظمیں شائع ہوئی ہیں ...... ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے عزم کر لیا کہ میں جلد از جلد اپنا ایک مجموعۂ نظمیات پبلک میں پیش کروں ۲۳ ستمبر سے اس کام میں سب کام چھوڑ کر منہمک ہو گیا۔ ضیا صاحب چنیوٹی نے پوری ہمدردی سے میرا ساتھ دیا اور خدا کا شکر ہے کہ کل ۲۳ اکتوبر کو میں نے ایک ایسا مجموعہ مرتب کر لیا جسے میں اپنے نام سے شائع کر کے خوش ہو سکتا ہوں۔" (سیماب بنام ضیا ص ۳۷ و ۳۸)، یہی وہ مجموعہ نظمیات ہے جو ۱۹۳۴ء میں منصۂ شہود پر آیا اور جس نے سیماب کو نظم گو شعرا کی صف اول میں لا کر کھڑا کر دیا "کارِ امروز" کی قابلِ رشک مقبولیت سے سیماب کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے ۱۹۳۴ء کے بعد ۱۹۴۷ء تک یعنی تیرہ سال کی مدت میں یکے بعد دیگرے پانچ اور شعری مجموعے کلیم عجم (۱۹۳۶ء) سازو آہنگ (۱۹۴۱ء) عالم آشوب (۱۹۴۴ء) صدر المنتہی (۱۹۴۶ء) اور شعر انقلاب (۱۹۴۷ء) شائع کئے۔ علاوہ ازیں اُن کے

سلاموں، عزائیہ شاعری کے دو مجموعے نفیرِ غم (۱۹۴۳ء) اور سرودِ غم (۱۹۴۱ء) بھی شائع ہوئے۔ اسی دوران میں انہوں نے قرآن شریف کا منظوم اردو ترجمہ مکمل کیا۔ کلیم عجم میں غزلیات کے علاوہ سیماب کے خطباعتِ شاعری بھی شامل ہیں جو ایک علیحدہ نثری کتاب کی اہمیت رکھتے ہیں۔ سیماب کا ایک نثری کارنامہ "دستور الاصلاح" کے نام سے جولائی ۱۹۴۰ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ اس سے پیشتر اُن کی نثری تصنیف "رازِ عروض" ۱۹۲۳ء میں چھپ چکی تھی۔ اُن کی غیر مطبوعہ غزلوں کا آخری مجموعہ "لوحِ محفوظ" اُن کی وفات کے بعد مارچ ۱۹۷۹ء میں سیماب اکادمی بمبئی نے شائع کر کے جاری کیا ہے اور ۱۹۸۲ء میں قرآن شریف کا ترجمہ "وحیِ منظوم" پاکستان میں سیماب اکادمی کراچی کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ اس ترجمہ پر پاکستان میں پچیس ہزار روپے کا ہجری ایوارڈ ملا اور سیماب اکادمی پاکستان نے سیماب کی نعتوں اور مذہبی نظموں کا ایک نہایت خوبصورت مجموعہ "سازِ حجاز" کے نام سے جون ۱۹۸۲ء میں شائع کیا۔

انڈین نیشنل کانگریس نے ۱۹۲۰ء میں شراب نوشی کی لعنت کی مخالفت کا بیڑہ اٹھایا تھا چنانچہ جب ۱۹۳۷ء میں اُس نے وزارتیں بنانا قبول کر کے جولائی، اگست میں بہار، بمبئی، مدراس، اُڑیسہ، سی پی کے صوبوں میں وزارتیں بنالیں تو سب سے پہلے یکم اکتوبر ۱۹۳۷ء کو مدراس کی کانگریس حکومت نے اپنے صوبہ میں شراب بندی کا حکم

نافذ کیا۔ شاعر کے شمارہ بابت ستمبر ۱۹۳۷ء کے ادارتی نوٹ میں سوال اٹھایا گیا کہ "کانگریسی وزارتیں ہندوستان کے تمام صوبوں میں شراب نوشی کو قانوناً ممنوع کر دینے کی کوشش میں ہیں۔ کیا وقت کی ضرورت متقاضی نہیں ہے کہ اردو شاعری سے بھی اس غلیظ و قدیم موضوع کو نکال دیا جائے؟" سیماب خود شراب نہیں پیتے تھے اور فطرتاً اس کے مخالف تھے۔ قرآن مجید میں بھی شراب نوشی کی مذمت کی گئی ہے بس وہ کانگریس کے اس اقدام سے بہت متاثر ہوئے اور ستمبر ۱۹۳۷ء کے شاعر میں انھوں نے شعرائے ہند کے نام ایک منظوم پیغام دیا کہ ؎

پرہیز سے تائیدِ معالج کر دو	رسمِ ترکِ شراب رائج کر دو
اب ساغر و پیمانہ کو ٹھکرا دو	اب شاعری سے بھی ان کو خارج کر دو

دیکھتے ہی دیکھتے ساغر و پیمانہ کو اردو شاعری سے خارج کر دینے کی بات ایک تحریک بن کر سامنے آگئی اور مشاعرہ بزم ادب بھساول منعقدہ ۲۲ مئی ۱۹۳۸ء کے خطبۂ صدارت میں سیماب نے اعلان کر دیا کہ وہ آئندہ اپنے اشعار میں شراب اور اس کے متعلقہ تمام الفاظ کو استعمال نہیں کریں گے اور دوسرے شعرا کو بھی انہوں نے ایسا ہی کرنے کی تلقین کی۔ اس مشاعرہ بھساول کی تاریخ انعقاد غلطی سے شاعر (مارچ ۱۹۴۴ء ص ۸) میں ۲۸ مئی ۱۹۳۸ء لکھی گئی ہے۔ ایک دوسرے اعلان میں جو شاعر اکتوبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا، سیماب

نے فیصلہ کیا کہ "آئندہ کسی مشاعرے میں میری شرکت صرف اس یقین پر مشروط ہوگی کہ اس مشاعرے میں کوئی قطعہ، رباعی یا شعر جام و شراب یا متعلقات جام و شراب کے ذکر سے ملوث نہ ہوگا۔" اس تحریک کی وضاحت اعجاز صدیقی نے شاعر اگست ۱۹۳۸ء میں کی اور لکھا کہ "ہندوستان کے ادبی حلقے خوب واقف ہیں کہ حضرت علامہ سیماب اکبر آبادی کئی ماہ سے شعر و شاعری سے موضوعِ "جام و شراب" کے اخراج کی کوشش فرما رہے ہیں جس کے اعلانات برابر شاعر میں ہوتے رہے ہیں چونکہ اس تحریک کا تعلق اخلاقیات سے ہے اس لئے ہندوستان کے گوشے گوشے سے تائید ہو رہی ہے۔ یہ تحریک عالمگیر حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے اس کا مخاطب کوئی ایک شاعر یا ایک ادیب یا کوئی شخص محض نہیں سمجھا جا سکتا۔"

اردو[1] شاعری اور اس کے ماخذ فارسی شاعری پر جام و شراب اس قدر حاوی ہیں کہ اگر اس کو جام و شراب کی شاعری کا نام دیا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ یہ الگ بات ہے کہ جام و شراب کے پردے میں شعرائے فارسی و اردو نے نہ صرف نکات حیات و ممات کے سمجھنے سمجھانے میں آسانی پیدا کر دی بلکہ وہ باتیں بھی کہہ دیں جو شاید کسی دوسرے ذریعہ سے کہی نہیں جا سکتی تھیں۔ صوفیانہ شاعری تو بیشتر جام و شراب ہی کے پردے

---

[1] مضمون "شاعر اور شراب" از ماہر القادری شاعر مارچ ۱۹۴۴ء ص ۸ تا ۱۱

سے باتیں کرتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ جام و شراب اور اس کے متعلقات کو اردو شاعری سے خارج کرنا اتنا آسان نہیں تھا جتنا سیماب اور اُن کے ہم خیالوں نے سمجھا۔ آزادی کے بعد کی سیاست بھی یہ ثابت کر چکی ہے کہ مہاتما گاندھی کی مخالفتِ شراب زبانی حد تک صحیح اور درست ہوتے ہوئے بھی عملی طور پر کامیاب نہیں ہو سکی۔ بعضوں کا کہنا ہے کہ جنتا حکومت کے گرانے میں مرار جی ڈیسائی کی مکمل شراب بندی کا بھی کافی دخل ہے۔ اب ہر شخص جانتا ہے کہ شراب متعدد سماجی بُرائیوں کی جڑ ہے۔ لیکن کسی نے سچ کہا ہے کہ

یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اُتار دے

اس صورتِ حالات میں سیماب کی تحریک اخراجِ جام و ساغر کے خلاف، کئی آوازیں بلند ہوئیں۔ ان میں سب سے زیادہ بلند اور زور دار آواز تھی جوش ملیح آبادی (ف فروری ۱۹۸۲ء) کی جو اُس زمانے میں دہلی سے ماہنامہ "کلیم" نکالتے تھے۔ وہ شراب کے رسیا تو تھے ہی، لیکن اس تحریک نے اُن کو طرفدار جام و ساغر بلکہ مے و مینا کا ڈھنڈورچی بننے پر مجبور کر دیا۔ اب یہاں یہ بحث غیر ضروری سی ہے کہ اُن کے ردِّ عمل کا شکار بن کر اسرار الحق مجاز (ف ۱۹۵۲ء) نریش کمار شاد (ف ۱۹۶۹ء) اور سلام مچھلی شہری (ف ۱۹۷۳ء) خود بھی تباہ ہوئے اور اُردو کی توقعات بھی پوری نہ کر سکے۔ یہ ایک المیہ ہے۔ بہر حال جوش نے اس تحریک کو ذاتی رنگ دینے کی کوشش کی

(کلیم جولائی و اگست ۱۹۳۸ء) اور اس طرح جوش و سیماب کی معرکہ آرائی اہل نظر کی دلچسپی کا باعث بنی۔ سیماب کے شاگردوں نے بھی اس تحریک کا ساتھ صدقدلی سے نہیں دیا۔ ظاہر ہے کہ ذکرِ مے و مینا کے بغیر ان میں سے بیشتر کی شاعرانہ زندگی کے ختم ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ غالب بھی تو کہہ گئے ہیں کہ ؎

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

چنانچہ اس تحریک کی پیروی سیماب کی ذات اور شخصیت تک محدود ہو کر رہ گئی۔ البتہ مشاعروں میں شرکت والی شرط کو وہ خود بھی قائم نہیں رکھ سکے کیونکہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ اردو کا مشاعرہ ہو اور جام و ساقی کا ذکر خیر نہ کیا جائے۔ یہاں ایک واقعہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ راقم السطور نے ایک نظم لکھی تھی نام ہے ساقی، جام ہے ساقی وغیرہ اور وہ سالنامہ ادب لطیف لاہور، ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ مارچ ۱۹۳۸ء میں یہ وہ نظم بغرضِ اصلاح سیماب کو بھیجی گئی تو انہوں نے نظم علی حالہ اس نوٹ کے ساتھ واپس کر دی "آپ کی نظم میرے مسلک اور میری تحریک کے خلاف ہے اس لئے میں اس پر اصلاح دینا پسند نہیں کرتا۔" مگر لطیفہ یہ ہے کہ اسی قافیہ و ردیف کی ایک نظم بنام "ساقی" الم مظفر نگری شاگرد سیماب کی شاعر کے شمارہ جولائی ۱۹۴۳ء میں بڑے اہتمام سے پورے صفحے پر شائع کی گئی۔ یہاں یہ بتا دینا

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک کے آغاز ہی میں سیماب کو اس کے کامیاب نہ ہو سکنے کا احساس تھا۔ جبھی تو انھوں نے اکتوبر ۱۹۳۸ء میں منعقدہ بزمِ ادب مینڈو ضلع علیگڈھ کے سالانہ مشاعرے میں پڑھے گئے اپنے خطبۂ صدارت میں صاف کہہ دیا تھا کہ "موجودہ دورِ قدامت پرستی میں مشاعروں کا زیام وشراب سے معری ہو جانا سرِ دست مجھے دشوار نظر آتا ہے۔" (شاعر جولائی ۱۹۸۲ء ص ۹) اس سے چند برس پہلے یعنی ۱۹۳۰ء میں سیماب نے ایک اور تحریک چلائی تھی۔ (کلیم عجم ص ۱۰) جس کا مقصد یہ تھا کہ مشاعرے کا صدر خطبۂ صدارت ضرور پڑھے خطبۂ صدارت پڑھنا کوئی نئی بات نہیں لیکن سیماب فرماتے ہیں کہ "مشاعروں میں خطبہ خوانی کا محرک اول میں ہوں اور سب سے پہلا خطبہ ۱۹۲۲ء کے آل انڈیا مشاعرہ گیا میں میں نے پڑھا" (کلیم عجم ص ۲۹) دراصل وہ چاہتے تھے کہ "کبھی کسی ایسے شخص کو منصبِ صدارت نہیں دینا چاہیے جو ہماری رہنمائی اور افادہ پذیری کیلئے اپنی زبان کو تکلیفِ جنبش نہ دے سکے۔" اس تحریک میں بظاہر کوئی قباحت نہ تھی اور دوسرے سیاسی اور مذہبی اجتماعات میں خطبات صدارت پڑھنے کا رواج عام تھا۔ چنانچہ ان کی یہ تحریک ایک بڑی حد تک کامیاب اور رائج ہو گئی البتہ اُن کی خواہش کہ مشاعرے کی صدارت کسی شاعر ہی کے سپرد کی جائے۔ بعض وجوہ کی بنا پر پوری نہیں کی نہیں جا سکی۔ اسی طرح جنوری ۱۹۳۳ء کے شاعر سے (شاعر نومبر ۱۹۴۶ء ص ۷۰) انھوں نے

ایک مسلسل مضمون بعنوان "شاہراہ" لکھنا شروع کیا جس طرح انشار نے تجویز کیا تھا کہ اُردو شعر کی تقطیع کے لئے مفاعیلن، فاعلن مفعولن کی جگہ ہندی الفاظ مثلاً بی جان، پری خانم وغیرہ استعمال کئے جائیں ویسے ہی سیماب نے بھی عروض میں ترمیم کی ضرورت محسوس کی اور تن، تنا تن قسم کے صوتی الفاظ کو اس مقصد کے لئے رائج کرنے کی کوشش کی۔ لیکن انشار ہی کی طرح اُن کی آواز بھی صدا بصحرا ہو کر رہ گئی اور وہ اس سلسلے کو مکمل نہ کر پائے۔ آل انڈیا نیشنل کانگریس کو ۱۹۳۷ء میں ایک قومی گیت کی تلاش تھی۔ اس سلسلے میں سیماب نے تین گیت پیش کئے تھے۔ ایک گیت میں "بندے ماترم" کا اُردو نظم میں ترجمہ کیا گیا تھا۔ اس گیت کو ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں جو کلکتہ میں منعقد ہوا۔ ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا گیا۔ دوسرا "ہندوستان کا قومی گیت" رجز کی شکل میں تھا اور تیسرا "قومی جھنڈے کا گیت" ہندی آمیز اُردو زبان میں تھا اور ہندو مسلم سکھ اتحاد کا تخیل پیش کرتا تھا۔ جیسا کہ سبھی جانتے ہیں۔ نظر انتخاب نوبل پرائز یافتہ ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور کے مشہور گیت "جن گن من" پر پڑی اور وہی ہندوستان کا قومی گیت قرار پایا۔ (شاعر نومبر ۱۹۳۷ء ص ۴۷)

دوسرے ضروری کاموں کے ساتھ ساتھ اس موقع پر سیماب نے اپنے شاگردوں کی جماعت کا جائزہ لیا اور دیکھا کہ ان کے کئی تلامذہ فارغ الاصلاح کئے جانے کے مستحق ہو چکے تھے۔ چنانچہ اپنی معرکتہ الآرا

تصنیف " دستور الاصلاح " (مطبوعہ جولائی ۱۹۴۰ء) کے آخری صفحات میں انہوں نے اپنے شاگردوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک وہ جو فارغ الاصلاح ہو چکے تھے اور دوسرے وہ جو فارغ الاصلاح ہونے کے قریب تھے۔ ایسا کرنا یوں بھی ضروری ہو گیا تھا کہ رفتہ رفتہ اُن کا حلقۂ تلامذہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا تھا اور وہ قدرتی طور پر اُن کی اصلاح کے لئے وقت کی کمی محسوس کرتے تھے۔ علاوہ ازیں محض اصلاحی مشقت سے کی کفالت ناممکن تھی، یہی سبب ہے کہ تواسیر کا موذی مرض، کنبے کی فکر، کاروبار ہی گراں باری، روز افزوں اقتصادی مشکلات، سترہ اٹھارہ گھنٹے کی سخت محنت، حالات کی نامساعدت، بڑھتے ہوئے مشاغل اور گھٹتی ہوئی عمر نے سیماب کی جسمانی صحت کو بُری طرح متاثر کیا۔ ۱۹۴۵ء کے شروع میں ان کی صحت اس حد تک خراب ہو گئی کہ وہ صاحب بستر ہو گئے۔ اس علالت نے شدید صورت اختیار کر لی اور اپریل ۱۹۴۵ء کے شمارہ شاعر میں اعلان کیا گیا۔

" علامہ سیماب کی صحت یوں تو اس سال کے آغاز ہی سے خراب تھی لیکن ۲۷ مارچ سے اعصابی تحیر، ضعفِ معدہ ضعفِ دل و دماغ، بخار کھانسی اور اس میں ہذیانی و بحرانی کیفیت نے اتنا طول کھینچا کہ ہنوز حضرت قبلہ بستر علالت پر ہیں۔ ۲۱ اور ۲۲ اپریل کی درمیانی شب میں درجہ حرارت ۱۰۴ تھا۔ کمزوری انتہا کو پہنچ گئی ہے مگر خدا کا ہزار ہزار

شکر ہے کہ مرض کی شدت اور خطرہ دور ہو چکا ہے لیکن
ابھی یہ یقینی نہیں ہے کہ تمام شکایتیں کلی طور پر ختم
ہو چکی ہیں۔"

اسی پرچے میں سیماب کا ایک مضمون بعنوان "تفویض" بھی
شریکِ اشاعت ہے۔ اطبا اور ڈاکٹروں کا متفقہ مشورہ تھا کہ وہ
کم از کم تین مہینے کوئی دماغی کام نہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ
تین چار ماہ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے دماغ پر بار پڑے اور اس مدت
کے بعد صرف میرا مشغلہ تصنیف و تالیف ہوگا۔" حالات کے پیشِ نظر
انہوں نے اعلان کیا:

"اب میں اپنی کہولت، اعصابی کمزوری اور فطری
اضمحلال سے معذور ہو کر مجبور ہوں کہ اصلاحِ کلام سے
دست کش ہو جاؤں ۔۔۔۔ اس لیے اس اعلان کے
بعد میرے وہ تلامذہ جو محتاجِ اصلاح ہیں۔ میرے پاس
اپنا کلام اصلاح کے لئے نہ بھیجیں بلکہ میرے ان تلامذہ
کے پاس بھیجیں جو فارغ الاصلاح ہیں۔"

اس غرض سے انہوں نے اپنے اسی مضمون میں ایسے ۹۲ فارغ الاصلاح
تلامذہ کے نام اور پتے درج کر دیے جو" اصلاح دینے کا پورا پورا ملکہ
رکھتے ہیں۔" حالانکہ اس مضمون میں سیماب نے صاف کہہ دیا تھا کہ
"میں اپنے اس فیصلہ میں کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ کے لئے تیار نہیں ہوں"

لیکن بعد میں جب وہ مکمل طور پر صحت مند ہو گئے تو چند مخصوص شاگردوں کو ۱۹۵۰ء تک اصلاح دیتے رہے۔ ان میں راقم السطور بھی شامل تھا۔ شاعر مئی و جون ۱۹۴۷ء میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی تھی کہ ایسے تمام پختہ مشق تلامذہ جنہیں اصلاح دینے کی اجازت دی گئی ہے اصلاح و مشورہ دے سکتے ہیں۔" یہاں اس بات کا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ اس قسم کی تجویز سیماب کے ذہن میں ۱۹۳۹ء ہی میں آگئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے ۲۷ مارچ ۱۹۳۹ء کے خط میں راز چاند پوری کو لکھا تھا کہ

> "اب میں اپنے ذہن و دماغ میں اتنی قوت نہیں پاتا کہ سیکڑوں شاگردوں کا بارِ اصلاح سنبھالے رہوں۔ اس لئے میں نے صوبہ وار اپنے جانشینوں کے تعین کا فیصلہ کر لیا ہے۔ عنقریب اس کا اعلان کرنے والا ہوں۔"
>
> (الوارث سیماب نمبر ص ۶۹)

مگر بوجوہ ایسا اعلان فوری طور پر نہیں کیا گیا۔ البتہ "میرے شاگرد" کے سلسلے میں جو اعلان انہوں نے ۱۲ جولائی ۱۹۴۰ء کو جاری کیا اور "دستور الاصلاح" کے پہلے ایڈیشن کے ص ۴۳ پر چھاپا۔ اس کے آخر میں انہوں نے فرمایا کہ "آخر کتاب میں میرا ارادہ ہے کہ اپنے بعض تلامذہ کو اجازتِ اصلاح دے کر ہندوستان کے علاقے ان کے مستقر کے لحاظ سے ان میں تقسیم کر دوں۔" مگر "میرے شاگرد" کی تکمیل نہ ہو سکی اور یہ کام تفویض ناموں کے ذریعہ پورا کیا گیا۔ سیماب

"میرے شاگرد" کے نام سے دو جلدوں میں دیدہ و نادیدہ شاگرد کے تذکرے لکھنا چاہتے تھے۔ دیدہ شاگردوں کے تذکرے کی پہلی جلد تو طباعت کے لئے تیار بھی ہو گئی تھی اور اس بات کا اعلان بھی شاعر میں کر دیا گیا تھا مگر کاغذ کی کمیابی اور گرانی کے باعث وہ کتاب چھپنے سے رہ گئی اور اب تو اس کا مسودہ بھی ضائع ہو چکا ہے۔

اس طرح اصلاحِ کلامِ تلامذہ کی غیر معمولی مصروفیت سے نجات پا کر اور صحت مند ہو کر سیماب کی تمام تر توجہ قرآن مجید کے منظوم ترجمے پر مرکوز ہو گئی اور یہ عظیم کام انہوں نے جولائی ۱۹۴۶ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا۔ اس دوران میں انہوں نے شاعر کے لئے وہ دو منظوم صفحے "ہمارا پیام" اور "شعرِ انقلاب" لکھنے بھی ملتوی کر دیئے تھے۔ جنہیں وہ باقاعدگی سے لکھا کرتے تھے۔

شاعر جولائی ۱۹۴۱ء میں سیماب کی ایک نظم شائع ہوئی جس کا عنوان تھا "موحدِ اعظم" نظم کا نفسِ مضمون نیا نہیں تھا۔ اس سے پہلے عبدالرحمٰن بجنوری اسی قسم کے خیال کو نظم کر چکے تھے اور ان کی نظم "معلم الملکوت" کے عنوان سے "باقیاتِ بجنوری" مطبوعہ مکتبہ جامعہ ایڈیشن ۱۹۴۰ء کے صفحات ۲۲۵ تا ۲۲۷ پر موجود ہے۔ بجنوری کی نظم کا کسی نے نوٹس نہیں لیا مگر سیماب کی نظم کا شائع ہونا تھا کہ اہلِ دین میں زلزلہ آ گیا۔ قیامت برپا ہو گئی۔ احتجاج کی آوازیں دہلی اور لاہور سے بلند ہوئیں۔ حضرت مولانا مفتی مہدی حسن با لقابہٗ (مفتیٔ) ناندیر سورت

نے نظم پر مذہبی نکتۂ نظر سے تنقید کے ساتھ ساتھ علمی و فنی اغلاط کی
نشاندہی بھی کی اور سیماب کو کافر قرار دے دیا۔ اُن کا مخالفانہ مضمون باقساط
اخبار "مدینہ" میں شائع ہوا۔ "مدینہ" ہی میں اس نظم کے خلاف نظمیں بھی
شائع ہوئیں۔ چنانچہ سیماب نے ایک کامیاب جوابی نظم "غیر اللہ کو پہلا سجدہ"
کے عنوان سے لکھی (شاعر دسمبر ۱۹۴۱ء ص ۲ و ۱۳) کفر کا فتویٰ لگائے
جانے پر انہوں نے ایک اور نظم کہی جس کا عنوان "کافر گر سے" تھا اور
جو شاعر کے شمارہ جنوری ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی۔ اخبار "مدینہ" میں
شائع شدہ محولہ بالا مضمون میں مفتی صاحب موصوف نے جو اعتراضات
کیئے ان کے مفصل جوابات مولوی محمد سلیم الدین طالب مظاہری سہسرامی
نے اپنے طویل مضمون میں دیئے جو شاعر میں مارچ سے نومبر ۱۹۴۲ء
تک بہ اقساط شائع ہوا۔ اس مضمون میں سیماب کی نظم سے متعلق
دیگر مقتدر اور معتبر اصحاب و احباب کی آراء بھی شریک کر لی گئی تھیں
اس سلسلے میں ایک عجیب و غریب واقعہ کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔
شاعر کے شمارہ جنوری ۱۹۴۲ء میں سید انوار حسین شہا دہلوری سیمابی کا
ایک خط مع نظم شائع ہوا تھا جس میں نام نہاد علماء کو تنبیہ کیا گیا تھا کہ وہ
کسی مسلمان پر کفر کا فتویٰ عائد کرنے میں احتیاط برتیں۔ چنانچہ ملاؤں
نے چراغ پا ہو کر شہا کو بھی کافر قرار دیا اور جامعہ نظامیہ سے خارج
کروا دیا۔ بعد ازاں لاٹھیوں کے زور سے انہیں توبہ کرنے پر مجبور
کیا اور ان سے بہ جبر ایک تردیدی بیان لکھوا لیا جو غالباً "مدینہ"

ہی کے کسی شمارہ میں شائع ہوا۔ شہا کے دل پر ان واقعات کا اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ مئی ۱۹۴۴ء سے پہلے ہی دنیائے فانی سے اُٹھ گئے۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر سیماب نے ایک اور نظم کہی جو شاعر کے شمارہ جون ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئی۔

حضرتِ آدم کی تخلیق عمل میں آنے کے بعد خالق مطلق اپنے اس تخلیقی شاہکار پر بیحد خوش ہوا اور تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ اُس کے آگے سربسجدہ ہو جائیں۔ شیطان جسے اپنی اطاعتِ ایزدی پر ناز تھا۔ اس بات کو گوارا نہ کر سکا کہ وہ اپنا سر خالقِ مطلق کے علاوہ کسی دوسرے کے آگے خم کرے۔ چنانچہ اُس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح وہ موحدِ اعظم ٹھہرا اور اس نے جو کچھ کیا بجا ہی کیا۔ اس نکتۂ محبت کو لے کر سیماب نے اپنی نظم میں شیطان کو قابلِ تعریف و تقلید ٹھہرایا تھا اور یہ بات مذہبی عقیدے کے منافی ہے۔ یہی سیماب کی خطا تھی جس کی سزا میں وہ معتوب ٹھہرے اور اُن کے ایک شاگرد کو جان تک دینی پڑگئی۔

(آٹھ)

ہندوستان کی جنگ آزادی سیماب کے سامنے لڑی گئی۔ انہوں نے جذبۂ وطنیت کو دلوں میں اُبھرتے اور پنپتے دیکھا۔ ان کے دیکھتے دیکھتے ہندوستان میں کئی سیاسی انقلابات رونما ہوئے، دنیا دو عالمی جنگوں کی خونریزی و تباہ کاری کا شکار بنی، سائنس نے حیرت انگیز ترقی کی اور ایٹمی دَور کا آغاز ہوا۔ ظاہر ہے کہ سیماب یہ سب کچھ دُور سے کھڑے ہوکر نہیں دیکھتے رہے۔ اُن کے حسّاس دل نے بدلتے ہوئے ماحول کے اثرات کو محسوس اور قبول کیا۔ نئی قدروں کو پرکھا اور وہی کیا جو ایک سچے شاعر کو کرنا چاہیئے تھا۔ ان کا کلام اپنے زمانۂ تخلیق کا صحیح ترجمان ہے۔ سیماب کا سیاسی عقیدہ کچھ بھی ہو مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کے دل میں اپنے مولد اکبر آباد (آگرہ) اور روضۂ تاج محل کے لئے بے پناہ کشش اور محبت تھی۔ یہی محبت اُن کے ذہن میں اُردو شعر و ادب کا آگرہ اسکول بن کر اُبھری۔ آگرہ کو میر، نظیر اور غالب ایسے بے مثال اور باکمال شعرا کی جائے ولادت ہونے کا فخر حاصل تھا اور سیماب کو ناز تھا کہ اُن کی پیدائش بھی اسی سرزمین میں ہوئی۔ تاج سے متعلق اُن کی نظمیں اتنی ہی حسین و جمیل ہیں جتنا خود روضۂ تاج ہے جس کے لئے انہوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے

شیراز بہ گل گشتِ مصلےٰ نازد　　غرناطہ بہ حُسنِ قصرِ حمرا نازد

من ہم بہ دیارِ خویش دارم خلدے   خلدے کہ برو تمام دنیا نازد

علاوہ ازیں انہوں نے اپنے ایک مراسلہ مورخہ ۱۹۴۹ء (سیماب بنام ضیا ص ۱۳۵) میں راقم السطور کو لکھا کہ "ہندوستان میں سات پیڑھیاں گزری ہیں وہاں کے در و دیوار سے محبت ہے۔ گو میں وطنیت کا قائل نہیں مگر جہاں انسان ستر[۱] برس تک رہے وہاں کے ماحول سے محبت ہو ہی جاتی ہے۔ اس لیئے مجھے بھی اپنے وطن سے محبت ہے"۔

یہ وطن اور ماحول سے محبت کا شدید جذبہ ہی تھا جس نے تقسیم ملک (اگست ۱۹۴۷ء) کے بعد بھی سیماب کو آگرہ میں ہی رہنے پر مجبور کیا، وہ کسی قیمت پر آگرہ یعنی ارض تاج کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے وہ مصر تھے کہ گو تقسیم کی بنیاد مذہب پر رکھی گئی تھی اور ہندوؤں اور مسلمانوں کی ادل بدل شروع ہو چکی تھی مگر "ہندوستان سے تمام مسلمان جا نہیں سکتے"۔ (خط مورخہ ۱۲/۸/۴۸ بنام راقم سیماب بنام ضیا ص ۱۱۹)

تقسیم کے نتیجہ میں سرکاری رسالہ آج کل (اردو) کے لئے ایڈیٹر کی اسامی خالی ہو گئی اور نئی حکومت کو اس کو بھرنے کی فکر ہوئی۔ اسکے لئے سیماب نے بھی درخواست دی (خط مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۴۸ء سیماب بنام ضیا ص ۱۲۹) مگر اُن کے مقابلے میں جوش ملیح آبادی تھے جن کی رسائی براہ راست وزیر اعظم جواہر لال نہرو تک تھی چنانچہ

---

[۱] در اصل سیماب ۶۶ برس کی عمر تک آگرہ میں رہے اور اس کے بعد پاکستان چلے گئے۔

کامیابی جوش ہی کی ہوئی اور وہ ترکِ وطن (۱۹۵۶ء) تک آج کل (اردو) کے مدیر رہے۔

پندرہ اگست ۱۹۴۸ء کو آزادی کی پہلی سالانہ تقریب کے سلسلے میں پیکیڈلی کوئینز وے نئی دلی (Picadily Queens way New Delhi) کے وسیع اور شاندار ہال میں ایک مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا جس کی صدارت ڈاکٹر تارا چند نے کی۔ اس مشاعرے میں سیماب بھی شریک ہوئے اور انہوں نے اپنی مشہور نظم وطن آزاد ہوا۔ چمن آزاد ہوا، پڑھی (ماہنامہ سیماب دہلی، شمارہ مئی و جون ۱۹۵۲ء ص ۱۰) مشاعرے میں شرکت کے لئے وہ ۱۲ اگست ۱۹۴۸ء کو لیسے وقت آگرہ سے روانہ ہوئے کہ پھر آگرہ دیکھنا نصیب نہ ہوا

"وحی منظوم" یعنی منظوم ترجمہ قرآن مجید کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ اپنی گھٹتی ہوئی عمر اور گرتی ہوئی صحت کو دیکھتے ہوئے وہ چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح یہ ترجمہ اُن کی زندگی میں شائع ہو جائے۔ اس سلسلے میں خط و کتابت کے ذریعے تاج کمپنی لاہور سے معاملہ طے کیا جا رہا تھا۔ سیماب ترجمہ اپنے ساتھ دہلی لے آتے تھے اور یہیں سے لاہور کو عازم سفر ہو گئے تاکہ تاج کمپنی کے مالک سے دوبدو گفتگو کر کے جلد کوئی فیصلہ کر سکیں۔

۱۶ اگست ۱۹۴۸ء کو سیماب لاہور پہنچے تو انہیں معلوم ہوا

کہ "لاہور میں تاج کمپنی کی صرف برانچ ہے۔ مرکزی دفتر کراچی میں ہے"۔ (سیماب بنام ضیا ص ۱۳۳) چنانچہ وہ لاہور سے کراچی چلے گئے۔ ان کے کراچی جانے کا ایک دوسرا سبب بھی تھا۔ جیسا کہ ان کے خط مورخہ ۳ مئی ۱۹۴۹ء بنام راقم السطور (سیماب بنام ضیا ص ۱۳۶) میں بتایا گیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ

"میرا ارادہ ہرگز کراچی آنے کا نہ تھا مگر اثنائے قیامِ لاہور میں یکایک اطلاع ملی کہ مظہر حسین سلمہٗ مع اپنی والدہ، اپنی بیوی اور بھانجی کے براہ بمبئی کراچی پہنچ رہے ہیں۔ یہ اطلاع میرے لئے پریشان کن تھی اور میں آگرہ جانے کی بجائے کراچی آنے پر مجبور تھا۔
مظہر حسین مجھ سے پہلے کراچی پہنچ گئے اور مجھے کئی تار دیئے کہ میں فوراً کراچی پہنچوں، پہنچا۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیگم سیماب اور بچوں کے بمبئی کے راستے کراچی پہنچنے کا پروگرام سیماب کی آگرہ سے عدم موجودگی میں بنا اور اس کا انہیں پہلے سے کوئی علم نہ تھا۔ اس کے برعکس سیماب کے صاحبزادے مظہر صدیقی نے پاکستان میں جاری کردہ ایک حالیہ بیان میں کہا ہے کہ پاکستان پہنچ کر سیماب نے آگرہ میں انہیں تار بھیجا کہ فوراً کراچی پہنچ جاؤ۔ چنانچہ وہ اپنی امی کو لے کر کراچی پہنچ گئے۔ ہو سکتا ہے کہ مظہر صدیقی کا بیان مبنی بہ حقیقت ہو۔ اگر ایسا ہے تو یہ سوچنا پڑے گا کہ سیماب نے

اپنے مندرجہ بالا خط میں دروغ گوئی کا سہارا کیوں لیا۔ سیماب کے بیان اور مظہر کے بیان میں طویل تفاوتِ وقت کو نظر میں رکھا جائے تو بیان سیماب کی صداقت سے انکار ممکن نہیں۔ اس وقت تک کراچی میں سیماب کے کوئی ۳۰ شاگرد ہندوستان سے ہجرت کر کے پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ ان کو کراچی میں تنہائی کا احساس تک نہیں ہوا۔ حکومت پاکستان نے بھی ان کو کافی حد تک نوازا۔ رہنے کے لئے ایک مکان دیا اور کاروبار کے لئے ایک دُکان دی۔ (سیماب بنام ضیا ص ۱۳۶) ریڈیو پاکستان سے بھی ان کو کام ملنے لگا۔ حالانکہ کراچی کی آب و ہوا انہیں راس نہ آئی تو بھی وہ اپنے ادبی اور تخلیقی کاموں میں اسی طرح مشغول و منہمک رہے جس طرح آگرہ میں تھے۔ صرف فرق یہ تھا کہ شاعر اور قصر الادب آگرہ میں تھے۔

سیماب چاہتے تھے کہ کراچی سے ایک ہفت روزہ اخبار 'پرچم' کے نام سے جاری کیا جائے۔ مگر عملی طور پر 'پرچم' پندرہ روزہ رسالے کی شکل میں یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو منظر عام پر آیا۔ یہ ایک خالص ادبی رسالہ تھا اور اس کا نصب العین تھا بین الاقوامی ادب و اخلاق اور تعلیم و تربیت کی ترجمانی۔ سیماب کا ارادہ تھا کہ اس کے ذریعے مختلف مملکتوں اور سلطنتوں کے ادب اور ادیبوں کو باہم دیگر متعارف کرایا جائے۔ سیماب کا نام رسالہ کے سرِورق پر بطورِ مدیر درج تھا۔ حالانکہ اس کے پرنٹر و پبلشر مظہر حسین صدیقی تھے جو بعد میں اس کے مدیر بن گئے۔ جولائی ۱۹۴۹ء سے کتابت

وطباعت کی پریشانیوں کے باعث پرچم کو ماہانہ کر دیا گیا۔" ہمارا پیام" کے مستقل صفحے کے علاوہ پرچم میں سیماب نے "علیہ ما علیہ" کے عنوان سے مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا جس میں بعض شعرا کے کلام پر نیاز فتحپوری کی طرف سے کیے گئے اعتراضات کا جائزہ لیا جاتا تھا۔ یہ سلسلہ بہت مقبول ہوا۔ پرچم سیماب کی موت کے بعد بھی جاری رہا۔ ستمبر ۱۹۵۱ء میں اس کا شاندار اور یادگار تعزیتی نمبر (سیماب کے تعلق سے) نکلا۔ غالباً اکتوبر ۱۹۵۱ء کے ایک خاص نمبر کے بعد پرچم بند ہو گیا۔ علاوہ ازیں سیماب نے کراچی میں ایک انسٹی ٹیوشن "جامعہ ادبیہ" کے نام سے قائم کیا جس کا مقصد شعر و ادب اور صحافت نگاری کی تعلیم و ترویج تھا۔ اُردو مصادر سے متعلق ریڈیو کراچی سے ان کی تشریحی تقاریر کا سلسلہ بھی اسی مقصد کے تحت تھا۔ انجمن ترویج اُردو کراچی کے باقاعدہ جلسے بھی انہیں کے مکان پر ہوتے تھے۔ ان جلسوں میں طرحی مشاعروں کے دوش بدوش فی البدیہہ مشاعرے بھی منعقد کیے جاتے تھے۔

سیماب کو کراچی میں رہتے ہوئے ایک ہی سال ہوا تھا کہ ستمبر ۱۹۴۹ء میں ان پر فالج کا پہلا شدید حملہ ہوا۔ جس سے وہ کسی نہ کسی طرح جانبر ہو گئے۔ ٹھیک ایک سال بعد ۳۰ ستمبر ۱۹۵۰ء کو فالج کا دوسرا اور آخری حملہ ہوا۔ انگریزی اور یونانی ہر قسم کا علاج و معالجہ کیا گیا مگر ع

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

آخر ۳۱ جنوری ۱۹۵۱ء کا وہ منحوس دن بھی طلوع ہوا۔ جب دوپہر کے

قریب ادب اُردو کا یہ تابدار ستارہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ عجیب اتفاق ہے کہ سیماب نے بھی وہی ۶۸ برس کی عمر پائی جو اُن کے دادا اُستاد ذوق کے حصہ میں آئی تھی۔

سیماب جب سے ہندوستان چھوڑ کر گئے۔ ان کے دل میں وطن کی یاد ہر دم تازہ رہی۔ اپنے مراسلہ محررہ ۳ رمئی ۱۹۴۹ء (سیماب بنام ضیا ص ۱۳۷) میں انھوں نے راقم السطور کو لکھا

"محترمی ڈاکٹر سیتارام بالقابہ ہائی کمشنر انڈیا سے یہاں ایک ادبی اجتماع میں ملاقات ہوئی۔ فرمایا۔ سیماب صاحب کیا اب آپ سے ہم بالکل محروم ہو جائیں گے؟ کتنا دلآویز و درد انگیز استفسار تھا۔ آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔ دل بھر آیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں پہلے ہندوستانی اور اس کے بعد سب کچھ ہوں۔ بین القومی شاعر ہوں۔ مجھے نہ ہندوستان سے بیر ہے نہ پاکستان سے۔ آب و دانہ یہاں لے آیا ہے۔ جب چاہوں گا پھر ہندوستان چلا جاؤں گا . . . . میں ہندوستان کو بھول سکتا ہوں نہ ہندوستان مجھے بھول سکتا ہے۔ ستّر برس کی مضبوط مرکزیت میری عارضی نقل و حرکت سے فنا نہیں ہو سکتی اور نقل و حرکت مستقل ہو تو بھی مرکزیت کو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ ایک شاعر جو فطرتاً اور خلقتاً

شاعر ہو کسی ملک کی تہذیب و تعمیر کے لئے قدرت کی طرف سے متعین کیا جاتا ہے۔ میں بھی اس فرض کی ادائیگی کے لئے یہاں قدرت کی طرف سے بھیجا گیا ہوں اور جو کام فطرت لے رہی ہے کر رہا ہوں جب ہندوستان کو میری ضرورت ہو گی وہاں بھیجد یا جاؤں گا۔"

مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ان کی خاک کو تو خاک کراچی میں ملنا تھا البتہ ایک موقع ہندوستان آنے کا مل رہا تھا جو کسی وجہ سے ادھورا رہ گیا۔ ۱۹۵۰ء میں مشاعرہ جشن جمہوریت میں شرکت کا دعوت نامہ ہندوستان سے ان کے نام بھی آیا تھا اور انہوں نے منظوری بھی دے دی تھی۔ یہ خیال تھا کہ اس حیلے سے آپ سے اور دوسرے احباب سے ملاقات ہو جائے گی۔ آگرہ جا کر بچوں سے بھی مل آؤں گا۔" (خط مورخہ ۱۴ر فروری ۱۹۵۰ء سیماب بنام ضیا ص ۱۴۵) مگر یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔

(نو)

سیماب کی لفظی تصویر انکے مشہور و معروف شاگرد نثار اٹاوی (وفات مئی ۱۹۷۴ء) نے اپنے اس مضمون میں کھینچی ہے جو نقوش لاہور کے شخصیات نمبر میں شریک اشاعت ہے نثار لکھتے ہیں:-

"مولانا اس وقت باوجود عمر کی (۵۵ ؟) منزلیں طے کرنے کے کافی تنومند تھے۔ قد چھوٹا تھا مگر اُن کی ترکی ٹوپی اُسے درازی عطا کر دیتی تھی۔ سر کے بال سفید ہو چکے تھے اور انگریزی وضع پر ترشے رہتے تھے۔ مولانا کا چہرہ گول، آنکھیں بڑی اور چمکدار تھیں۔ اُن کی آواز کافی رعب دار تھی۔ مونچھوں کے بال بہت ہلکے اُگتے تھے۔ داڑھی صفاچٹ رہتی تھی۔ اور آخر عمر میں پیٹ تھا سا خم آگیا تھا مگر چھڑی کے سہارے بے نہایت تیز رفتاری کے ساتھ چل سکتے تھے میں نے انہیں کبھی پُر تکلف لباس میں نہیں دیکھا۔"کلیم عجم" میں ایامِ شباب کی تصویر دیکھ کر یہ ضرور معلوم ہوا کہ وہ کسی زمانے میں سوٹ بھی پہنتے ہوں گے مگر شاید جوانی کے ساتھ یہ شوق بھی رخصت ہو گیا۔ میں نے انہیں ہمیشہ شیروانی اور چوڑے پائنچے کے پاجامے میں ملبوس دیکھا۔ گھر پر قمیص

اور تہہ بند یا پاجامے کے عادی تھے۔ اگر گرمی کی شدت
ہوتی تھی تو صرف بنیائن اور تہہ بند پر اکتفا کرتے تھے مگر
بغیر شیروانی اور ٹوپی کے مکان یا دفتر سے باہر جانا معیوب
سمجھتے تھے۔ انہیں ترکی ٹوپی بہت عزیز تھی۔ کبھی کبھی جاڑے
میں سمور کی ٹوپی بھی استعمال کرتے تھے یہ سیہی کے کانٹوں
جیسی گھنے بھورے بالوں والی ٹوپی ان کے پُر رعب
چہرے کو اور بھی باوقار بنا دیتی تھی۔"

سیماب کے اخلاق و عادات کے بارے میں راز چاندپوری کا بیان مستند حیثیت رکھتا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں۔ (داستانِ چند ص ۳۷، ۴۸) کہ

"اخلاق و عادات کے لحاظ سے سیماب صاحب شریفانہ
اخلاق کے مالک تھے خلوص و مروت ان کی فطرت کے
خاص عناصر تھے اور وہ ہر شخص سے بہ خندہ پیشانی پیش
آتے تھے۔ بعض احباب و تلامذہ سے ان کے تعلقات
برادرانہ اور دوستانہ تھے..... ان کے مزاج میں کچھ "سیمابیت"
بھی تھی لیکن عام حالات میں صرف سنجیدگی یا زندہ دلی ہی
کا مظاہرہ ہوتا تھا۔"

جس ماحول میں سیماب نے آنکھ کھولی اور جن حالات میں اُن کی پرورش اور تربیت ہوئی اس کا تقاضا تھا کہ وہ مذہبی عقائد کی پابندی سختی سے کرتے مگر وہ ایک وہبی شاعر تھے۔ چنانچہ انہوں نے مذہب سے روگردانی

تو نہیں کی بلکہ اپنے ہمعصر اور ہم مکتب ڈاکٹر اقبال کی طرح وہ بھی مذہب اور روحانیت کو انسان دوستی اور رواداری کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اُن کا ایک مشہور شعر ہے ؎

مذہب اک رشتہ ہے مابین عباد و معبود
نہیں اغراض پرستی کے لئے اس کا وجود

ایک شاعرِ باعمل کی طرح سیماب نے اپنے ادب سے جس راستے کی نشاندہی کی اُس پر خود چلنے کی کوشش بھی کی۔ یہی سبب ہے کہ وہ جماعت مدارشیہ میں شامل ہو گئے۔ شاعر کے شمارہ مارچ و اپریل ۱۹۵۲ء کے حصہ مکتوبات میں سیماب کے شاگرد رشید ہرگوبند دیال نشتر کا ایک خط موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیماب گنڈا تعویذ کے ذریعہ روحانی علاج بھی کرتے تھے۔ نشتر لکھتے ہیں کہ

"انہوں (سیماب) نے کھود کھود کر مجھ سے میری زندگی کے ایک واقعہ کے متعلق دریافت کیا اور مجھ کو ایک نقش بنا کر دیا جس نے مجھ کو ایک مستقل غم سے جو معلوم ہوتا تھا کہ زندگی بھر میرا پیچھا نہ چھوڑے گا۔ نجات دی۔ میرے پوتے اُن کو آگرہ والا بابا کہا کرتے تھے!!"

اس آگرے والے بابا نے ٹھیک ہی تو کہا ہے کہ ع

ہر رنگ کی شراب پیالے میں ہے مرے

اب سیماب کے ان دو شعروں کا مفہوم صاف اور واضح ہو جاتا ہے ؎

کہانی میری رودادِ جہاں معلوم ہوتی ہے
جو سنتا ہے اسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے
بھرے گی ان کو میرے بعد لاکھوں رنگ سے دنیا
خلائیں چھوڑ دی ہیں میں نے کچھ اپنے فسانے میں

ذکرِ سیماب میں انہیں خلاؤں میں رنگ بھرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سیماب کے تعلق سے ایک عام خیال کہ وہ سرِ مشاعرہ شعر کی داد دینے میں بخیل تھے۔ بجد کافی درست ہے۔ انہوں نے ایک گفتگو میں راقم السطور سے کہا تھا کہ اچھے شعر سننے میں کم کم آتے ہیں۔ تاہم سرِ مشاعرہ داد نہ دینے کا خاص سبب یہ تھا کہ وہ مشاعروں کو نہ "داد گاہیں" سمجھتے تھے نہ بنانا چاہتے تھے۔ حیرت اس پر ہے کہ ان سے یہ شکایت بعض ایسے شعرا کو بھی تھی جو خود استاد اور داد طلبی سے بے نیاز تھے۔ در اصل اسے سیماب کی فطری سنجیدگی کا کارنامہ کہنا چاہیے۔

(دس)

اپنے ہم عصروں میں سیماب کی ایک نمایاں اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ بسیار گو اور زود نویس تھے۔ فطری رجحان اور مسلسل مشق و مزاولت سے تخلیقی سفر میں وہ کم عمری ہی میں اُس منزل پر پہنچ گئے تھے جہاں ان کو شعر کہنے کے لئے نہ کسی خاص وقت کی ضرورت تھی نہ ماحول کی، کوئی وقت ہو کوئی ماحول ہو وہ شعر کہہ لیتے تھے! انہوں نے اپنے دماغ کی تخلیقی صلاحیتوں سے وہی کام لیا جو ایک معمار اپنے دست و بازو کی تعمیری قوتوں سے کام لیتا ہے۔ چنانچہ ان کو بعض حلقوں میں شعر کہنے کی مشین سمجھا جاتا تھا، بٹن دبا دیا اور جس نوعیت کے اشعار کی ضرورت ہوئی منٹوں میں حاصل کر لئے کمپیوٹر کو پہلے سے پروگرام کرنا پڑتا ہے۔ سیماب جو دماغ لے کر پیدا ہوئے تھے اسے پہلے سے قدرت نے پروگرام کر دیا تھا۔

"میں شعر کیونکر کہتا ہوں"، (کلیم عجم ص ۱۷۲ تا ۱۷۵) میں سیماب نے ۱۸۹۲ء سے ۱۹۳۵ء تک اپنی مدت شعر گوئی کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے پہلا ۱۸۹۲ء سے ۱۸۹۸ء تک یعنی داغ کی شاگردی سے پہلے کا زمانہ۔ اس دور میں "رات کو تمام کاموں سے فارغ ہو کر میں چراغ شمعدان میں رکھ لیتا اور فکر کرنے لگتا جس زمین میں شعر کہتا اس کے تمام قوافی جو بقدر معلومات مجھے اُس وقت یاد آتے پہلے ایک کاغذ پر لکھ لیتا اور پھر اس کی مناسبت

سے شعر کہنا ..... یہ خبط تھا کہ کسی طرح شعر کہوں اور روز کہوں یہ خبط بڑھتے بڑھتے بتدریج ذوق میں تبدیل ہو گیا .... رفتہ رفتہ مجھے محسوس ہونے لگا کہ میں واقعی شاعر ہوں۔" دوسرا دور ۱۸۹۸ء سے ۱۹۰۸ء تک۔ "اب میرے شعر کہنے کا طریقہ یہ تھا کہ طعام و نیاز سے فارغ ہونے کے بعد میں کرسی پر بیٹھ جاتا۔ میز پر طشت میں پان، الائچی چھالیاں، لونگیں، لکھنؤ کا قوام وغیرہ ہوتا اور کرسی کے پاس حقہ، چھوٹی میز پر سگریٹ کیس۔ ان سامانوں کے ساتھ میں رات کے ایک بڑے حصے تک شعر کہنے میں مصروف رہتا اور اکثر ۳۰، ۴۰ اشعار ایک ہی نشست میں کہہ ڈالتا۔ پھر ان میں سے اچھے شعر منتخب کر کے صبح ایک غزل بنا لیتا اور اصلاح کے لئے بھیج دیا کرتا تھا۔ قافیہ پیمائی کا مرض ہنوز موجود تھا۔" تیسرا دور ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۸ء تک "جہاں اور جب ضرورت ہوئی قلم جیب سے نکالا اور نظم یا غزل جو کچھ کہنی ہوتی کہہ ڈالی، نہ اب اچھی جگہ کی ضرورت تھی نہ پان اور الائچی کی احتیاج، نہ لباس کی پابندی، نہ وقت کی قید۔ غرض کہ طبیعت تمام قیود سے آزاد ہو گئی۔ مگر رات کو بستر پر جانے کے بعد شعر کہنے کی عادت اب بھی باقی رہی۔" آخری اور چوتھا دور ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۵ء تک "شعر زادن و شعر گفتن کا فرق و امتیاز اس زمانے میں معلوم ہوا۔ اب بعض اوقات بغیر فکر بھی شعر دماغ پر نازل ہو جاتا ہے۔ آسودگی خلوت، شورشِ محفل، لوگوں کا ہجوم، رباب و سرود کی آوازیں، ریل کی کھڑکھڑاہٹ، موٹروں اور

تانگوں کی سماعت خراش رفتار میرے شعر کہنے میں حائل دحارج نہیں ہوتی۔
اب میں چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اور دوران گفتگو میں بھی شعر کہہ لیتا ہوں۔ کیسی
مصرع کو دو چار بار ذہن میں گردش دی اور خاموش بیٹھ گیا۔ دو منٹ کے بعد
سلیقے میں ڈھلے ڈھلائے شعر کاغذ پر سننے لگتے ہیں۔"

اس طویل شعری سفر کی قدم بہ قدم تفصیل پڑھنے والے کو بادی النظر
میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سیماب وہبی شاعر کم اور اکتسابی شاعر زیادہ تھے
مگر واقعتاً یہ بات درست نہیں۔ اس میں دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں کہ
سیماب کا مذاق شاعری خداداد تھا مگر اس مذاق کو پروان چڑھانے اور
جلا بخشنے کے لئے مشق اور محنت کی ضرورت باقی تھی جو انہوں نے بحد کافی
مہیا کی۔ مذاق فطرت کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے مگر زبان جو انسان
کی پیداوار ہے محض سیکھنے سے آتی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس نے
زبان اور فن بغیر سیکھے حاصل کر لئے ہیں تو کون ایسا کم نظر ہے جو اس کی بات پر
یقین کر لے گا۔ چنانچہ سیماب نے اپنے فطری مذاقِ شاعری کو پروان چڑھانے
کی خاطر زبان و بیان اور فن پر دسترس حاصل کر لینے کے لئے دل و جان کی
بازی لگا دی اور وہ اس مہم میں کامیاب ہوئے۔ بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے
کہ الفاظ، ترکیبیں اور محاورے اُن کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے
تھے اور وہ جب اور جس طرح چاہتے ان کو کام میں لاتے تھے۔ ان کا
کلام پڑھنے والوں کو لگتا ہے کہ ابلاغ و اظہار کا ایک ریلا ہے جو خود بخود
آگے بڑھا آتا ہے۔ اُس میں کوئی تکلف نہیں۔ کوئی تصنع نہیں۔ آورد

میں بھی آمد کی شان۔ شاید سیماب کے کلام میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ ثبوت ہے اس قدرت کا جو سیماب کو اظہار و بیان پر تھی۔ اب اسے سطحی لفاظی یا ہنگامی کہہ کر پس پشت ڈال دینا اور اس میں سے جھلکتے ہوئے کمال و قدرت کا اعتراف نہ کرنا محض ناانصافی ہی نہیں بلکہ بدذوقی بھی ہے۔

کسی ادیب یا شاعر کا ادبی مقام متعین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے کلام اور کارناموں کا مجموعی طور سے جائزہ لیا جائے مگر تعجب ہے کہ سیماب کے تعلق سے یہ کام ابھی تک کسی صاحبِ نظر نے نہیں کیا۔ سیماب کی حیاتِ شاعری کا تدریجی اور تفصیلی مطالعہ ان لوگوں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہوگا جو اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ایک فطری شاعر کو شعر کہنے کے لئے کوئی محنت نہیں کرنی پڑتی۔ نہ ہی اسے زبان اور فن سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ جب مختلف ہتھکنڈوں سے سستی شہرت اور عوامی مقبولیت کا زینہ طے کر لیتے ہیں تو ترقی، جدت اور تجربے کے نام پر زبان کو بگاڑنے اور فن کی عمارت کو گرانے کے تخریبی عمل کو اپنا کر اپنی خود استادی کے مدعی ہوتے ہیں۔ سیماب کے کلام میں بھی نئی لفظیات اور تراکیب ملتی ہیں۔ انھوں نے بھی پرانے لفظوں کو نئے معنی پہنائے ہیں۔ تجربے بھی کئے ہیں۔ مگر سلیقے اور ڈھنگ سے۔ ان کے یہاں بے راہ روی نہیں۔ ان کی
میں بھی
ہے۔ میر کا دعویٰ تھا
کہ "مستند ہے میرا فرمایا ہوا" اور کچھ اسی قسم کی بات سیماب نے بھی

کہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ "اشعار پر نظر ثانی کرنے کی کبھی ضرورت نہیں ہوتی اور اگر نظر ثانی کرتا ہوں تو شعر میں وہ الوہیت و برجستگی نہیں رہتی جو دماغ سے نکلے ہوئے پہلے شعر میں ہوتی ہے۔" (کلیم عجم ص ۱۷۵) اس بیان کی صداقت سے منکر ہونے کی کوئی وجہ نہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ سیماب نے بھی اپنے اشعار میں ترمیم و اصلاح کے عمل کو جاری رکھا یہ الگ بات ہے کہ اس کام کے لئے ان کے پاس فرصت کے محدود لمحات ہوتے تھے۔ اس سلسلے میں راقم السطور نے کچھ مثالیں اکٹھی کی ہیں۔ جو مضمون بعنوان "سیماب کی خود اصلاحی کے چند نمونے" (مطبوعہ شیرازہ سری نگر جون جولائی ۱۹۸۲ء ص ۱۴ تا ۲۱) میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ سیماب نے زمانے کی نبض پہچانتے ہوئے غزل کو تغزلِ محض کے اندھے کنوئیں سے نکال کر حیات و کائنات کے گوناگوں مسائل سے روشناس کرایا، اس کے دامن کو وسعت دی اور اس قابل بنایا کہ غزل کوٹھوں تک محدود نہ رہ کر بہو بیٹیوں کے درمیان بھی بلا تکلف بیٹھنے کے لائق ہو گئی۔ اسی کو انہوں نے "شعر مہذب" کا نام دیا اور اس زمانے میں یہ ایک بڑی بات تھی۔ کیونکہ یہی ایک طریقہ تھا بدنام غزل کو زندہ رکھنے کا۔ چنانچہ سیماب کی غزلیہ شاعری میں اس تغزلِ محض کا فقدان ہے جو غزل کی "رسوائی" کا باعث بنا۔ غزل کا شاعر ہوتے ہوئے بھی انہیں نظم گوئی زیادہ عزیز تھی اور انہوں نے نہ صرف خود نظمیں کہیں بلکہ نظم گوئی کی تلقین و ترویج بھی کی۔ ان کی نظمیں مختلف بحور اور ہیئت

میں کہی گئی ہیں جن میں عصری تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ فنی احاطے میں رہ کر تجربے سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ سیماب کا یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی وجہ سے ان کے تخلیقی عمل میں افادی اور ابدی پہلو در آیا ہے ان کی نظم گوئی کا ڈھنگ جداگانہ اور عجیب و غریب تھا۔ اس ضمن میں وہ خود فرماتے ہیں کہ "آدھی رات کو بیدار کر کے بھی آپ مجھ سے کوئی غزل، نظم یا قطعہ، تاریخ وغیرہ لکھوا سکتے ہیں۔" (کلیم عجم ص ۱۷۵) کار امروز سیماب کی ۱۳۷ عصری تقاضوں کی حامل نظموں کا مشہور و مقبول مجموعہ ہے جو ۲۵۶ صفحات پر محیط ہے اس کی بیشتر نظموں کی تخلیق کے بارے میں محمد صادق ضیا تلمیذ سیماب نے اپنے مضمون "کار امروز کی ترتیب و تدوین اور شانِ نزول" (شاعر کار امروز نمبر جولائی ۱۹۳۵ء ص ۲۱) میں بڑی دلچسپ حقیقت کا اظہار کیا ہے وہ لکھتے ہیں

"۔۔۔ ہم (یعنی سیماب و صادق ضیا) صبح اندھیرے منہ گھر سے نکل جاتے تھے۔ آگرہ سول لائن کی دور رو مند روڈ ہمارا مرکز خرام تھی۔ تعلیمی ماحول ہونے کے علاوہ علی الصباح فضا پر ایک قسم کا سکون اور اطمینان طاری رہتا تھا۔ میں اپنے پاس کاغذ اور پنسل کا انتظام رکھتا تھا اور مولانا مدظلہ نظموں کے لئے اپنے دماغ اور طبیعت کو مستعد رکھتے تھے۔ سب سے پہلے ایک عنوان سوچا جاتا۔ شہر سے باہر کسی پر فضا مقام پر ہم ٹھہر جاتے۔ مولانا شعر کہتے تھے اور میں لکھتا جاتا تھا۔ نظموں کی تشکیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مولانا کے

ذہن میں ہر نظم کے متعلق ایک خیال پلاٹ کی صورت میں
آتا تھا اور لکھوانے سے پہلے نظم ان کے دماغ کی مشین میں
مکمل ہو جاتی تھی!!

اُردو نظم اس کے بعد ایک طویل سفر طے کر کے کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ کلیم عجم میں شریک خطباتِ شاعری کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اردو شاعری اور اس کے مستقبل کے بارے میں سیماب کے خیالات کم و بیش وہی تھے جو حالی پانی پتی کے تھے۔ اس طرح اردو شعر و ادب کی ترقی اور توسیع کے لئے جو کار نمایاں حالی نے پنجاب میں انجام دیا وہی کام سیماب سے قدرت نے یو۔پی میں لیا۔ چنانچہ سیماب کو یو پی کا حالی کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ ایک پیشہ ور قلمکار بن جانے کے بعد سیماب کے لیے صرف ایک کام رہ گیا تھا یعنی ہر وقت لکھتے رہنا، دن رات لکھتے رہنا۔ چنانچہ اپنی ساٹھ برس سے زاید عمر شعر و ادب میں انہوں نے اتنا کچھ لکھا جو ایک معمولی شخص سے متوقع ہی نہیں تھا۔ شعر و شاعری تو ان کی فطرت کا تقاضا تھا لیکن اس کے علاوہ انہوں نے نثر میں بھی بہت کچھ لکھا۔ سوانح، تاریخ، افسانہ، تنقید، ڈراما غرضکہ مشکل ہی سے نثری ادب کا کوئی گوشہ ایسا ہو جو ان کی دسترس سے باہر رہ گیا ہو۔

جیساکہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ سیماب نے کئی احباب کو صاحبِ کتاب بنادیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی کتابوں کا شمار تصنیفات و تالیفات سیماب

میں نہیں کیا جاسکتا۔ تو بھی انہوں نے چھوٹی موٹی نظم و نثر کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تین سو کے قریب کتابیں تصنیف کیں۔ شعر الحیات کے عنوان سے سیماب نے اپنی شاعرانہ زندگی کے جو مختصر حالات لکھ کر کلیم عجم (ص ۱۶۱ تا ۱۷۱) میں شریک اشاعت کئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک وہ ۲۸۴ کتابیں مختلف موضوعات پر لکھ چکے تھے۔ ان تمام کتابوں کی مکمل فہرست مہیا نہ کر کے انہوں نے چند اہم تصانیف کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ جامع الخطب اور عزیز الخطب، الہام منظوم، سیرۃ الحسین، سیرۃ الکبریٰ، نبت الرسولؐ، ادبی موتی، معتمہ، کارِ امروز، کلیم عجم، دنیائے ستاں اور راز عروض، کچھ زیرِ تصنیف و ترتیب کتابوں کے نام بھی گنوائے ہیں۔ مراۃ المطالب، پیام فردا، تورات مشرق، آیات الادب، شاہراہ، پیغامات، اساطیر، شاعر کی راتیں، شعر منشور منہاج الادب اور جنگ وغیرہ بیشتر مطبوعہ تصانیف دستیاب نہیں اور غیر مطبوعہ تصانیف کے مسودے تلف ہو چکے ہیں۔ پھر بھی پاکستان میں منظر صدیقی اور ہندوستان میں اعجاز صدیقی نے ان کی تصانیف کی فہرستیں مرتب کرنے کی کوشش کی ہے مگر ان کے مطابق بھی مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصانیف کی تعداد ایک سو سے آگے نہیں بڑھتی۔ اب اگر فرض کر لیا جائے کہ سیماب نے کم و بیش ایک سو کتابیں ہی تصنیف و تالیف کیں تو سیماب ایسے مزدور صحافی و شاعر کے لئے یہ کوئی کم کارنامہ نہیں ہے۔

سیماب کی ایسی تصانیف جو ان کی زندگی میں کتابت و طباعت کے مراحل سے گزریں اور اس وقت بھی موجود و دستیاب ہیں اور ان کی شعری صلاحیت، علمیت اور قدرت زبان کا ثبوت بہم پہنچانے کے لئے کافی ہیں۔

بہت سا مواد جو اخباروں اور رسالوں میں بکھرا پڑا ہے اور جو مسودوں کی شکل میں محفوظ ہے وہ بھی شائع ہو کر سامنے آجائے تو سیماب کے کارناموں پر بھرپور تبصرہ کیا جاسکے گا۔ اس کار نیک کی انجام دہی کی غرض سے بمبئی اور کراچی میں سیماب اکادمیاں قائم کی جاچکی ہیں اور انہوں نے اپنا طباعتی کام آغاز بھی کر دیا ہے۔

سیماب اور سیماب کی شاعری کے تعلق سے بھی بہت سے کارآمد مضامین جو مختلف اوقات میں سپرد قلم کئے گئے اخبارات و رسائل کے صفحات میں محفوظ ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مندرجہ بالا اکادمیاں ان مضامین کو بھی یکجا کر کے شائع کریں تاکہ آنے والی نسلوں کو سیماب شناسی میں مدد ملے۔

سیماب چند کتابیں قسط وار لکھ رہے تھے جو شاعر آگرہ کے شماروں میں شائع ہوتی رہیں۔ ایسی تصانیف میں جو ادھوری رہ گئیں شرح دیوان غالب، شاعر کی راتیں، ناظمین اردو، شاہراہ ہیں۔ ان ادھوری کتابوں کی بھی اپنی ادبی تاریخی حیثیت ہے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر شائع شدہ میٹر کو کتابی صورت میں محفوظ کر لیا جائے۔

(گیارہ)

سیماب کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ غالباً داغ کے بعد وہی ایک ایسے استاد ہوئے جسے تلامذہ کی اتنی بڑی جماعت کی سربراہی نصیب ہوئی اور اس اعتبار سے وہ شاید داغ سے بھی آگے ہیں کہ اُن کے شاگرد نہ صرف غیر منقسم ہندوستان کے کونے کونے میں پائے جاتے تھے بلکہ بیرونِ ملک بھی موجود تھے۔ اس کارواں میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی مرد عورتیں سبھی شامل ہیں۔ شاعر کے آگرہ اسکول نمبر ۱۹۳۷ء (ص ۲۱۹ تا ۲۲۲) میں اُن کے ۲۶۳ شاگردوں کی فہرست دی گئی ہے اور ۱۱۲ شاگردوں کے حالات مع نمونۂ کلام درج ہیں۔ مختلف ذرائع سے جو فہرست راقم السطور نے مرتب کی ہے اس کے مطابق تلامذہ سیماب کی تعداد ۳۷۰ ہے

جس طرح تلامذۂ داغ اپنے وقت کے اساتذہ ٹھہرے بالکل اُسی طرح سیماب کے شاگرد بھی استادی کے منصب تک پہنچے۔ ایسے شاگردوں میں الم مظفر نگری، شفا گوالیاری، طرفہ قریشی، رام جوایاں خنداں جہلمی، لطیف انور گورداسپوری، نثار اٹاوی، مفتوں کوٹوی وغیرہ کے نام پیش پیش ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے استاد کے دکھائے ہوئے راستے پر چل کر اُردو شعر و ادب کی ترویج و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان کے علاوہ سیماب کے شاگردوں میں راز چاندپوری، ساغر نظامی، نازش

پرتاب گڈھی، رونق دکنی، مختار صدیقی، افسر احمد نگری، ثمر اچھروی، مخمور جالندھری وغیرہ کو ملک گیر شہرت حاصل ہوئی۔ سیماب کے کچھ تلامذہ ایسے بھی ہیں جنہوں نے بعد میں اُن سے قطع تعلق کر کے اُن کی شاگردی سے انکار کر دیا یا اس کا اعتراف نہیں کیا۔ ایسے شعرا میں بسمل سعیدی، سراج الدین ظفر، الطاف مشہدی، حبیب اشعر وغیرہ کے نام لئے جا سکتے ہیں۔

منشی امیر الدین نظر وارثی اکبر آبادی کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ وہ سب سے پہلے سیماب کے شاگرد بنے۔ ان کا سنہ تلمذ ۱۸۹۶ء ہے۔ سیماب کی معنوی اولاد میں ایک بہت مشہور نام ہے محمد صادق ضیا چنیوٹوی کا جن کے متعدد مجموعہ ہائے تخلیقاتِ نظم و نثر ان کے زمانۂ تعلیم ہی میں شائع ہو کر بڑے بڑے ناقدانِ فن سے جن میں نیاز فتحپوری بھی شریک ہیں، خراجِ تحسین وصول کر چکے تھے۔ ادارہ قصر الادب آگرہ سے ضیا چنیوٹوی بھی اُسی طرح اچانک اُبھرے جس طرح کسی زمانے میں ساغر نظامی، مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ سیماب کی رفاقت اور سرپرستی سے دُور یا محروم ہو کر ساغر نظامی آج بھی تاباں و درخشاں ہیں جبکہ ضیا چنیوٹوی کبھی کے غروب ہو چکے ہیں۔ کم از کم تقسیمِ ملک کے بعد راقم السطور نے اُن کا نام کہیں دیکھا نہ کبھی سنا۔ یہ اُستادی شاگردی کا ایک عجیب المیہ ہے۔ کون جانے اور کتنے ضیا چنیوٹوی استاد کے رحم و کرم تک زندہ رہے۔

حال ہی میں منظر صدیقی نے پاکستان سے اطلاع دی ہے کہ کوئی دس برس قبل ضیا چنیوٹوی اللہ کو پیارے ہو گئے انا للہ و انا الیہ راجعون

خانوادۂ سیماب کا ذکر خاندان سیماب کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے۔ سیماب کے دو لڑکوں اعجاز صدیقی اور منظر صدیقی نے شاعری میں نام پیدا کیا جبکہ تیسرے لڑکے مظہر صدیقی نے اپنے قلم کا رخ افسانوں کی طرف موڑ دیا۔ سیماب، اعجاز صدیقی کی شعری صلاحیتوں کے قائل و مداح تھے۔ چنانچہ سیماب کے بعد اعجاز صدیقی نے اُن کی جانشینی کا حق بحسن وخوبی ادا کیا۔ اب جبکہ اعجاز صدیقی بھی ہم میں نہیں رہے۔ علم و ادب کی اس تاریخی اور تاریخ ساز گدی پر اعجاز کے فرزند اور سیماب کے پوتے افتخار امام براجمان نظر آتے ہیں۔ خدا انہیں نظر بد سے محفوظ رکھے۔

سیماب کا طریقۂ اصلاح دیگر اساتذہ سے قدرے جداگانہ تھا۔ وہ محض لفظوں کے ہیر پھیر سے شعر کو با محاورہ موزوں اور بامعنی بنانے کو کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس کے داخلی اور خارجی دونوں پہلوؤں کی ترقی پر نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے اس طرح اپنے تلامذہ کی ذہنی تربیت اور پرورش کی۔ مزید براں وہ خود توجیہہ اصلاح نہ کرکے مجبور کر دیتے تھے کہ شاگرد اپنی ہمت اور کوشش سے مقصود اصلاح کو پائیں۔ ایسی اصلاحوں کی توجیہہ کے لئے ان کے پاس وقت بھی نہیں تھا۔ انہیں اس بات کا ہمیشہ خیال رہتا تھا کہ اُن کی اصلاح شاگرد کی ذہنی و علمی سطح سے نامطابق نہ ہو۔

ضمیمہ ۱

مطبوعہ تصانیفِ سیماب

اس فہرست کے تیار کرنے میں اعجاز صدیقی بمبئی اور مظہر صدیقی کراچی کی فہرستوں کو اکٹھا کر لیا گیا ہے۔ اس میں اُن تصانیف کا ذکر نہیں جو کسی وجہ سے کتابی صورت میں شائع نہیں ہو سکیں۔

(۱) نظم

نام کتاب	کیفیت	سنہ اشاعت	ناشر
۱۔ ریاض الاطہر	منظوم سوانح رسول		کے حاجی محی الدین بنگلور
۲۔ عزیز الخطب	مروجہ خطبات عربی کا منظوم ترجمہ		ایضاً
۳۔ جامع الخطب	ایضاً		ایضاً
۴۔ ارشادِ احمد	احادیث شریف کا منظوم ترجمہ		عزیزی پریس آگرہ
۵۔ فریاد	نظم		حکیم محمد یعقوب خاں دلی
۶۔ بن بنسی	دیہات سدھار گیت		
۷۔ جنت کے خطوط	سات منظوم خط مرنے والوں کی طرف سے پسماندگان کے نام		دین و دنیا پبلشنگ ہاؤس۔ دہلی

نام کتاب	کیفیت	سنہ اشاعت	ناشر
(۱)	(۲)	(۳)	(۴)
۸۔ لوری نامہ	بچوں کے لیے نظمیں		ابوالعلائی پریس آگرہ
۹۔ نے ستاں	اسلامی نظمیں	۱۹۲۳ء	مکتبہ قصر الادب آگرہ
۱۰۔ الہامِ منظوم	منظوم مثنوی مولانا روم (چھ جلدیں)	۱۹۲۸ء	فیروز سنز لاہور
۱۱۔ کارِ امروز	نظموں کا پہلا مجموعہ	۱۹۳۴ء	مکتبہ قصر الادب آگرہ
۱۲۔ کلیم عجم	خطبات صدارت اور غزلیات	۱۹۳۶ء	ایضاً
۱۳۔ سازو آہنگ	نظموں کا دوسرا مجموعہ	۱۹۴۱ء	ایضاً
۱۴۔ سرود غم	سلام اور نوحے	۱۹۴۱ء	ایضاً
۱۵۔ کرشن گیتا	سری کرشن سے متعلق نظمیں	۱۹۴۲ء	انڈین پریس لمیٹڈ الٰہ آباد
۱۶۔ نفیرِ غم	سلام اور نوحے	۱۹۴۳ء	مکتبہ قصر الادب آگرہ
۱۷۔ عالم آشوب	جنگ سے متعلق رباعیات	۱۹۴۳ء	ممالک متحدہ پریس الٰہ آباد
۱۸۔ سدرۃ المنتہیٰ	دوسرا دیوان غزلیات	۱۹۴۶ء	مکتبہ قصر الادب آگرہ
۱۹۔ شعرِ انقلاب	نظموں کا تیسرا مجموعہ	۱۹۴۷ء	ایضاً
۲۰۔ لوحِ محفوظ	غزلوں کا تیسرا مجموعہ	۱۹۷۹ء	سیماب اکادمی بمبئی
۲۱۔ وحی منظوم	ترجمہ قرآن شریف منظوم	۱۹۸۱ء	سیماب اکادمی کراچی
۲۱۔ سازِ حجاز	نعتیں اور اسلامی نظمیں	۱۹۸۲ء	ایضاً

ب ۔ نثر

نام کتاب	کیفیت	سنہ اشاعت	ناشر
۱۔ سیرۃ الحسین علیہ السلام		۱۹۱۶ء	صوفی پبلشنگ ہاؤس منڈی بہاؤالدین، گجرات (پاکستان)

(۱)	(۲)	(۳)	(۴)
۲۔ سیرۃ الکبریٰ		۱۹۱۶ء	صوفی پبلشنگ ہاؤس منڈی بہاؤالدین گجرات (پاکستان)
۳۔ حالات حالی		۱۹۰۸ء سے ۱۹۳۲ء کے درمیان مطبوعہ کتابیں	ایضاً
۴۔ چراغ داغ			ایضاً
۵۔ جڑاؤ چمپا کلی			عزیزی پریس آگرہ
۶۔ بنت الرسول			عزیزی پریس آگرہ
۷۔ معلمہ (بہشتی جھومر)			ایضاً
۸۔ تذکرۃ الرسول (رسول عربی)			ایضاً
۹۔ انمول موتی			ایضاً
۱۰۔ سولہ کہانیاں			ایضاً
۱۱۔ جڑاؤ چندن ہار			ایضاً
۱۲۔ سترہ کہانیاں			ایضاً
۱۳۔ سگھڑ سہیلی			ایضاً
۱۴۔ جڑاؤ کرن پھول			ایضاً
۱۵۔ سوانح خواجہ غریب نواز رح			ابوالعلائی پریس آگرہ
۱۶۔ سوانح نورجہاں بیگم			ایضاً
۱۷۔ تذکرہ (حیات) صابرؒ			ایضاً
۱۸۔ انوار العلا (سوانح شاہ ابوالعلاؒ)			ایضاً

(۱)	(۲)	(۳)	(۴)
۱۹۔ ذکرِ صبا ایوب			ابوالعلائی پریس آگرہ
۲۰۔ غوث الاعظمؒ			"
۲۱۔ سوانح زیب النسا بیگم			"
۲۲۔ اللہ والوں کی محفل			"
۲۳۔ زنانہ خط و کتابت			"
۲۴۔ سرداراں باپ کے دو سردار بیٹے			"
۲۵۔ آئیمتہ الہدیٰ			"
۲۶۔ رومن کیرکٹر	اُردو سے رومن رسم الخط (میں لکھنے کے طریقے)		"
۲۷۔ نیا باورچی خانہ			"
۲۸۔ تحفۂ دربار ولایت			"
۲۹۔ چڑے چڑیا کی کہانی			"
۳۰۔ شکیلہ بیگم			"
۳۱۔ مضمون نویسی (مضمون نگار)			"
۳۲۔ لاڈلا بیٹا			"
۳۳۔ بہشت شداد			"
۳۴۔ زنانہ میلاد			"
۳۵۔ زنانہ آداب			عزیزی پریس آگرہ

(۱)	(۲)	(۳)	(۴)
۳۶- زبورِ ایمان			ابو العلائی پریس آگرہ
۳۷- ادبی موتی (چار حصے)	ادبی و اخلاقی مضامین		آگرہ اخبار برقی پریس آگرہ
۳۸- آفتابِ زندگی	ناول دو حصوں میں		حکیم محمد یعقوب خاں دہلی
۳۹- شبابِ زندگی			ایضاً
۴۰- زنانہ بستہ	دس کتابچے بچیوں کو جہیز میں دینے کے لئے		ایضاً
۴۱- رازِ عروض	فنِ شاعری کے عام فہم اور ابتدائی قواعد	۱۹۴۰ء	قصر الادب۔ آگرہ
۴۲- دستور الاصلاح	اصول اصلاح پر پہلی کتاب	۱۹۴۰ء	ایضاً
۴۳- مشاہدات	بوہرہ اوقاف کا سروے		
۴۴- آفتاب اُردو	نصاب کی کتاب		
۴۵- وفا کی دیوی	اصلاحی ناول		ابو العلائی پریس آگرہ
۴۶- ہریشچندر	ڈرامہ		ایضاً
۴۷- داؤ پیچ یا خوبصورت بلا	ڈرامہ		ایضاً
۴۸- پیچ در پیچ	ڈرامہ		ایضاً
۴۹- ناکام تمنا	ڈرامہ		ایضاً
۵۰- زیب وفا عرف بناؤ بگاڑ	ڈرامہ		عزیزی پریس آگرہ
۵۱- خدیجۃ الکبریٰ			

(۱)	(۲)	(۳)	(۴)
۵۲- سیرۃ النبویؐ			تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی
۵۳- آئینہ	ناول ۔	آئینہ سے متعلق اساتذہ کے اشعار سے ترتیب دیا گیا	بالکشن مشین پریس آگرہ

کل تصانیف

ا ۔ نظم	۲۲
ب ۔ نثر	۵۳
	۷۵

ضمیمہ ۲

غیر مطبوعہ مقالات، مضامین و خطبات سیماب

سیماب کے وہ مقالے، مضامین، خطبات وغیرہ جو ابھی تک کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئے مگر مختلف رسائل کے صفحات پر موجود ہیں۔

یہ فہرست مکمل نہیں کہی جا سکتی کیونکہ اس کی تیاری میں بیشتر شاعر اور پرچم کراچی سے مدد لی گئی ہے۔

عنوان	رسالہ
۱۔ اردو شاعری کی عہد بہ عہد تاریخ اور مشاعروں کا رواج	شاعر نومبر دسمبر ۱۹۳۳ء
۲۔ خطبۂ صدارت مشاعرۂ بزم ادب سانبھر	شاعر ستمبر ۱۹۳۶ء
۳۔ خطبۂ منظوم	شاعر فروری و مارچ ۱۹۳۷ء
۴۔ خطبۂ صدارت مشاعرہ روح ادب متھرا	شاعر جولائی ۱۹۳۸ء
۵ خطبۂ صدارت مشاعرہ بزم ادب مینڈو	شاعر نومبر ۱۹۳۸ء
۶۔ نظامِ کائنات اور انسان	شاعر اگست ۱۹۳۸ء
۷۔ حامیان ہندی کو دعوت فکر و نظر	″ ″ ″
۸۔ تثلیث، جام و شراب (خطبہ)	شاعر جولائی ۱۹۳۸ء
۹۔ اردو شاعری کی خصوصیات کا دوسری زبانوں کی خصوصیات شاعری سے مقابلہ	شاعر جولائی ۱۹۳۹ء

ضمیمہ ۳

فہرست تلامذۂ سیماب اکبرآبادی

(الف) مولوی محمد خورشید الزماں آباد شاہپوری ۔ دیو بیدیال آتش بہادلپوری ۔ وزیر محمد خاں آذر سرحدی ۔ حمید آذر آذر ناگپوری ۔ بسا دھورام آرزو سہارنپوری ۔ محمد سعید خاں آزاد بیاوری ۔ محبوب حسن صدیقی آسی رڑکوی ۔ سید عنایت علی آغا نہ برہانپوری ۔ محمد الیاس آفاق بھیم ڈبوی ۔ گنگا رام ابد سرہندی ۔ دلبسراج شرما آبر جہلمی ۔ فصل الدین اثر اکبرآبادی ۔ محمد صغیر صدیقی اثر اکبرآبادی ۔ سید مظفر علی اثر سالبری ۔ محمود یار خاں اثر جوناگڈھی ۔ علی میاں اثر بمبئی ۔ احمد عظیم آبادی ۔ احمد حسین احمد بنگلوری ۔ عبد الصمد احمد اکبرآبادی ۔ پیرزادہ شاہ صفدر عالم آحمر اکبرآبادی ۔ سیٹھ عبد الرحیم اختر تنبھڑی ۔ لنول نین اختر ادجھانوی ۔ محمد اسحاق اختر اکبرآبادی محمد سعید الدین اختر اکبرآبادی ۔ خواجہ اختر حسین اختر اعظم گڈھی ۔ عزیز وارثی اختر سرحدی ۔ مولانا علیم اختر اختر مظفر نگری ۔ شیخ محمد شریف اخگر سرحدی ۔ سید محمد موسیٰ اخگر سہسرامی ۔ محترمہ ادا ٹونکی ۔ محمد سعید خاں ادیب ریواڑی ۔ فیض محمد خاں ادیب اکبرآبادی ۔ ارشد احمد خاں

نظامی - ارشاد اکبرآبادی - محمد صبغت اللہ ارشد امروہوی -
جسونت سنگھ ارغوان گورداسپوری - مولوی بشارت علی
خاں آفریدی - ارمان اکبرآبادی - کے - اے شیخ اسد نعیبرآبادی -
سید علی نقوی البخاری - اسد احمد آبادی - صوبیدار رائے
نیاز علی خاں اسلم - اسعد مبارک پوری - حکیم محمد اشرف خاں
اشرف دہلوی - حکیم حبیب احمد اشعر دہلوی ، کمال اطہر اٹاوی -
اعجاز حسین صدیقی اعجاز اکبرآبادی - ڈی ایس الکس اعجاز کانپوری
عبدالغفور افسر احمد نگری - شیخ افضال حسین افضل اکبرآبادی -
اکبر اسمٰعیل بنگالی - اکبر عدنی - سید اکبر حسین اکبر جودھپوری -
سید محمد حسین شاہ گیلانی - اکسیبر دھاروی - بابو مولا بخش الہٰی
اکبرآبادی - الطاف مشہدی - سہ گودھا - اننت رام کوہلی - الفت
بینڈے دادن خاں - مولوی محمد اسحاق الم مظفر نگری - حکیم امام الدین
امام بنگلوری - شیخ محمد امام امامی میسوری - سید امجد حسین امجد
چھپروی - محمد امیر خاں چشتی امیر چرکھاری - خواجہ محمد امین بدایونی
بنیادی بیگم امینہ فرخ آبادی - مہر الٰہی انجم میرٹھی - محمد جان انجم
وزیر آبادی - مولوی محمد نور الدین انصاری انور بھوپالی - محمد لطیف انور
مشیدائی انور گورداسپوری - اوتار کرشن اوتار -   (۶۵)

ب - باسط حسین باسط اکبرآبادی - شمس الدین باسم میوانی
سیوک رام باصر بہارنوی - مولانا محمد ایوب چشتی قریشی باغ اکبرآبادی

شیخ قمر الدین بلاغ اکبرآبادی - سید عبدالعلی بحر الہ آبادی محمد عبدالحمید صدیقی برق فتحپوری - محمد انوار حسین برق اکبرآبادی - شیو پرشاد برگ باندوی - محمد عبیداللہ بزم امروہوی - مولوی حافظ محمد اللہ صدیقی اعظمی - بسمل اعظم گڈھی - سید عیسیٰ میاں سعیدی بسمل ٹونکی - غلام حسین بشر امرتسری - بشیر نیازی - بشیر الدین بشیر اکبرآبادی محمد یوسف بہار اکبرآبادی - حفیظ الدین بیتاب اکبرآبادی - محمد عبدالباری بیکل الہ آبادی (۱۸)

(پ) احمد شجاع پاشا جالندھری - کے حقیقت رائے پرمار لاہوری - کے محمد سلیمان پرواز بنگلوری - رابعہ خاتون پنہاں - محمد حبیب الرحمن پیام دکنی (۵)

(ت) عبدالرحمن تاب گوالیاری - حافظ محمد بشیر تاجر اکبرآبادی - علی محمد تاجور پیلانوی احمد بخش تائب نصیرآبادی - سیموئل لائڈ تائب میرٹھی - حامد رضا خاں نظامی تبسم علی گڑھی - خورشید حسن تپش امرتسری تصدق حسین تصدق بریلوی - عبدالواسع تمنا چگمحوری - تنویر نگینوی - سید عبدالغنی تنویر کولاری (۱۱)

(ث) صاحبزادہ سلطان حامد خاں ثروت گلشن آبادی - حکیم عبدالکریم ثمر اچھروی - عبدالحفیظ صدیقی ثمر چھپروی - غلام جیلانی ثمر اکبرآبادی - مرزا فدا حسین خاں ثمر دیپا - (۵)

(ج) مولانا سلیم الدین مظاہری جالب سہسرامی - سیٹھ جان محمد اسمٰعیل جانی کوچین - مرزا دلاور بیگ چغتائی جری ہوشنگ آبادی

محمد اسمٰعیل نظامی۔ جذبی کوچین۔ ماسٹر محمد حمزہ۔ خان جذبی ناندورہ محمد جلیل انصاری جلیل لکھنوی۔ عابد رضا خاں صابری۔ جمال علی گڑھی بلقیس جمال جمال۔ جمیل الرحمان جمیل سیوہاروی۔ خواجہ ستار الحسن شاہ جمیل اکبرآبادی۔ منشی الطاف حسین جوہر اکبرآبادی۔ تجمل حسین جوہر ڈبائیوی

(۱۲)

(ح) حکیم محمد بخش حاذق اکبرآبادی۔ حافظ محمد حسین حافظ علی گڑھی پیرزادہ قاضی محمد معین الدین حاوی بھاولپوری۔ شاہ سردار عالم حکیم حسا بانگ پوری۔ سید احمد حسرت نگینوی۔ پیرزادہ سید علی حسرت اجمیری، محمد یحییٰ خاں حسرت سہارنپوری۔ ابو المنصرت فتح محمد خاں حسرت گنگوہی۔ مولوی سید وجیہہ الدین حشر سہسرامی محمد حفیظ اللہ حفیظ اکبرآبادی۔ عبدالمجید خاں حکیم ارنڈول۔ حنیف سہارنپوری۔ گوہر اقبال حور میرٹھی۔ خورشید اقبال بیگم حیا میرٹھی مولوی نصیر الدین کامل حیدر چھیپا چھپتونہ۔ مولوی امیر الدین صدیقی حیدر اکبرآبادی۔ شہزادہ آغا احمد سیر درانی۔ حیرت لدھیانوی الانصاری حیرت بھوپالی

(۱۸)

خ، غلام محی الدین خادم بھڑوچی۔ نواب زادہ شیخ محمد عبدالخالق خالد منگرول۔ کبریٰ خانم درانی خاور۔ محمد عبدالخالق خلیق ایولوی۔ مولوی خلیل الرحمان خلیل سکولی۔ عبدالستار خاں خلیل کولا ی۔ محمد حنیف ہاشمی خمار پٹیالوی۔ حامد رضا خاں خمار۔ انوار حسین خمار

اکبرآبادی ۔ خدائے سخن پنڈت گوبند داس خموش سرحدی ۔ پنڈت رام جلایا
خنداں جہلمی (۱۱)

د : خواجہ عبدالرشید صدیقی درد اکبرآبادی ۔ محمد یٰسین
دلکش عدنی ۔ (۲)

ذ : ذکی اورنگ آبادی (۱)

ر : خواجہ راحت حسین راحت اکبرآبادی ۔ ابوالفضل محمد صادق
راز چاندپوری ۔ حافظ مولوی عبدالرؤف راوی اجمیری ۔ منشی محمد احمد
وارثی رسوا سہارنپوری ۔ حکیم محمد اسحاق رسوا اکبرآبادی ۔ رسوا
مظلومی ۔ شیخ عبدالرضا قریشی رضا گوالیاری ۔ وشوا ناتھ رضا
دینا نگری ۔ جسونت رائے سکسینہ رعنا بلسوی ۔ سید رفیق احمد
خلف مولانا احسن مارہروی ۔ رفیق مارہروی ۔ ابوالاسرار
مولانا ظہور احمد رمزی اٹاوی ۔ سراج الدین رواں اکبرآبادی ۔ محمد رضا
الانبیا رقادری قاتلی روحی لکھنوی ۔ بابو عبدالعظیم خاں رونق دکنی ۔
ریاض الدین احمد ریاض اکبرآبادی (۱۵)

ز : ابوالمجاہد زاہد سنتھروی ۔ بھاگیرت لال زخمی حصاری ۔ نی محمد
خلیل زعیم بنگلوری ۔ ماتا پرشاد زیب بریلوی ۔ احسان اللہ خاں
دُرّانی ۔ زیبا راولپنڈی ۔ مولوی خادم حسین زیبائی جبلپوری (۶)

س : مولوی ضمیر عالم ساحر اکبرآبادی ۔ صاحبزادہ حامد سعید خاں
ساحل ٹونکی ۔ حکیم سلطان محمود خاں ساز دہلوی ، محمد یار خاں نظامی ساغر علیگڈھی ، صابر لو

سلطان منیر ساغر امرتسری، ساقی صدیقی جبلپوری، محمد خلیل صدیقی ساغر اکبرآبادی
سید علی سحر اجمیری، سحر اعظمی، نذیر حسین سرشار نظیر آبادی۔ منشی غلام حسین
سرشار نصیر آبادی۔ غلام سرور قادری۔ سرور حاجیوالوی، سید عباس علی سرور
اکبرآبادی۔ بلدیو سہلے صحرائی سرودی۔ حاجی عبدالستار سفیر اکبرآبادی
غلام احمد قریشی سلیم پنڈدادن خاں، منصور علی سہروردی سلیم۔ مولوی
عبدالغفور نقشبندی۔ سلیمان جالندھری۔ اکرام اللہ قریشی سہا گوالیاری
انوار حسین سہا دیلوری۔ ابوالاعجاز سید سیف علی رضوی سیف اکبرآبادی
فیاض حسین سیفی اکبرآبادی، اسلام الحق صدیقی سیفی، بلوچستان، حافظ
عزیز الرحمن سیفی بجنوری۔

(۲۱)

ش: محمد حسین شاد کاندھلوی۔ عبدالمجید خاں شاداب اکبرآبادی، حضور احمد شاعر
اکبرآبادی، سید غلام مرتضیٰ وکیل شائق نہٹوری۔ محی الدین شان احمد پوری، منشی قنبر
عشرت علیخاں شباب، منشی ہدایت اللہ خاں شجر کوٹی، محمد عبدالرشید سینائی شفقت
آروی، سید محمد حسن شفا گوالیاری۔ بابو شفیع احمد شفا اکبرآبادی۔ بابو بیر جموہن شفق
علی گڑھی۔ محمد خاں شفق اکبرآبادی۔ گلزار محمد صحرائی شفق سیالکوٹی، ولایت حسین
خاں شفق اکبرآبادی، صاحبزادہ شفیق الرحمن خاں شفق ٹونکی، بابو شفیق اللہ
خاں شفیق کوٹی، شفیق احمد شفیق سنگامی، شقاعت حسین خاں شکیل اکبرآبادی
شمس الدین احمد شمس جہاں آبادی، شمس الاسلام زبیری شمس مرادآبادی، سید ولایت علی
قادری شمیم اکبرآبادی۔ ابوالاحسان محمد یٰسین شوق مٹھیالوی، مولوی محمد مشتاق احمد شوق
جائسوری، شوکت پردیسی جموالہ (جونپور)، مشرف علیخاں شہاب، غلام قادر شہرود کاشمیری

محمد طاوٗت شہید لکھنوری۔ ابوالحسنین خیر اللہ رشید اسلام نگری۔ بلقیس جہاں بیگم شبر کی۔ (۲۹)

(ص) محمد غلام مرتضیٰ صابر بایزید پوری۔ محمد ایوب خاں صابر ہمبل چکڑی
اے۔ بی فلپس صاحب اکبر آبادی۔ غلام مہدی صابر مٹھیالوی۔ صادق
بھنڈوری۔ مولوی رفیع احمد صبا متھراوی۔ صبا نقوی حصاری
منشی بابد یوسہائے سروری صحرائی۔ راجپال چھبر صحرائی جہلم
محمد صدیق صدیق بلند شہری۔ محمد مبشر علی صدیقی صدیقی بدایونی صغیر احمد
صغیر جلال آبادی۔ محمد فہیم صمیم امبہوری، اعجاز حسین صہبا چاندپوری (۱۴)

(ض) ضامن حسین ضامن ریعانی۔ محمد ضمیر الدین ضمیر پورنگ پیٹ
منشی علی حسین ضمیر بریلوی۔ ضیا جالندھری۔ محمد صادق ضیا جنیوٹی
مہر لال سونی ضیا فتح آبادی۔ حاجی قاضی ضیاءالاسلام ضیا کاندھلوی
محمد عبد اللہ خاں ضیا۔ حمید اللہ خاں ضیا میانوالی (۹)

(ط) پنڈت نند لال کول طالب کاشمیری۔ مرزا عبد المجید احمدی طالب
جہلمی۔ سبحان خاں طالب بالاپوری۔ طالب حسین ہمدانی طالق
طاہر حسین طاہر دیوبندی۔ عبد الوحید قریشی طرفہ بھڈاروی (۶)

(ظ) سراج الدین ظفر جہلمی۔ سید ظفر ہاشمی ظفر سیالکوٹی
ظفر محمد ظفر بہاری۔ اے ایم زبیری ظفر لاہوری۔ ظہور الحسن ظہور
متھراوی (۵)

(ع) ڈاکٹر مولوی عبد الحی عارف بھاگلپوری۔ فقیر محمد خاں عارف
سیالکوٹی۔ عارف بانکوٹی۔ حاجی حکیم عبد المجید خاں شروانی

عاشق - سید حامد ہاشمی القادری عروج بدایونی - عزیز حاصلپوری
عزیز سلونوی - محمد طٰہٰ عشق لکھنوی - حاجی محمد عطاء اللہ عطا اکبر آبادی
حاجی محمد عمر عمر اکبر آبادی - عیاں ہاشمی (۱۱)

(غ) عبد الغفار غفار اکبر آبادی - غلام احمد خاں غلام شیر گڈھی
عبد الغنی غنی جبلپوری (۳)

(ف) لکشمی نرائن فارغ - محمد سعید فارغ پشاوری - پنڈت سری
کرشن فدا پٹیالوی - فضل الدین فدا کھیم کرنوی - محمد فصیح انصاری
فصیح دیوبندی - مرزا اسلام اللہ بیگ فضا الہ آبادی - مولوی
محمد اسمٰعیل فضا اکبر آبادی - یعقوب علی خاں فضا - ابو العرفان
مولوی حبیب اللہ فضائی ٹونکی - عبد الستار خاں فکری بہادر -
منشی محمد الدین فوق کاشمیری حکیم الدین انصاری فہیم فیروز آبادی -
اسمٰعیل شاہ فہمی رتناگیری - سید فیاض علی فیاض بدایونی
محمد فیاض حسین فیاض اکبر آبادی - سید فیض الحسن فیضی جالندھری (۱۶)

(ق) - میر محمد احمد صدیقی شاہ قاتل لکھنوی ثم الاجمیری - مولوی
محمد عبید اللہ قدسی ٹونکی - حکیم مولوی بدیع الزماں نعمانی قمر سہسرامی
فضل اللہ قومی ٹونکی - محمد حنیف قوی مالیگانوی - نواب
نور حسین قیس مینڈو - ڈاکٹر بشیر محمد خاں قیس جموں - غلام احمد
اکبر آبادی (۸)

(ک) منشی محمد حفیظ کاتب اکبر آبادی - محمد شفیع کاشف اکبر آبادی

شیخ جمن کلیم کساوری۔ عبدالمجید خاں کلیم ارنڈول۔ سید اشفاق حسین نقوی کوثر مالیر کوٹلہ۔ شیخ منظور الٰہی کوثر کشمیری۔ عبدالغفور صدیقی کوثر اکبر آبادی۔ ڈاکٹر سید علی کوثر چاندپوری۔ کیف بہاری۔ بابو منور خاں کیفی محمد علی کیفی جام پوری (۱۱)

گ: گوربخش سنگھ گوربخش ننکانہ صاحب۔ سید مظفر حسین گوہر دان رادھا رام (۲۱)

ل: حافظ لیاقت حسین لیاقت اکبر آبادی (۱)

(م) الطاف حسین مانوس سہسرامی۔ خانصاحب حکیم محمود علی خاں ماہر اکبر آبادی۔ مولوی حمید اللہ بیگ ماہر دہلوی۔ اقبال ماہر ماہر الہ آبادی۔ حافظ عبدالنعیم خاں لودھی مجاز اکبر آبادی۔ محمد محسن محسن اکبر آبادی۔ عظمت طلب خاں محشر دہلوی۔ محمد محفوظ الرحمٰن خاں محفوظ مراد آبادی۔ سید محمود حسن محمود الہ آبادی۔ محمد مختار صدیقی مختار گوجرانوالوی۔ گوربخش سنگھ مخمور جالندھری۔ مرزا حسین بیگ مرزا دکنی۔ منشی فضل محمود مسلم پشاوری۔ محمد عبداللہ خاں مضطر گجراتی عالم گڑھی۔ حافظ محمد منظہر الدین رامپوری منظہر رام تسری۔ شنکر سروپ مفتون شکوہ آبادی۔ سید شوکت حسین مفتون کوٹوی۔ بابو ممتاز علی ممتاز علی گڑھی۔ عبدالرحیم صدیقی منصور جہلمی۔ شمشاد حسین صدیقی منظر اکبر آبادی۔ سید منظور احمد رضوی منظر بھوپالی۔ حاجی نبی احمد منظر بریلوی۔ گل محمد کلیمی منظر ڈیرہ غازی خاں۔ راجہ محمد لطیف خاں موزوں کاشمیری۔

مہر الٰہی نظامی مہر میرٹھی ۔ سورج نرائن مہر جے پوری ۔ وزیر زادہ شجاعت خاں
عثمانی مہر جوناگڈھی ۔ سید خورشید علی نقوی مہر جے پوری ۔ شیخ محمد علی احدی میر اجمیری
عظمت حسین میکش اتراولی ۔

(۳۱)

(ن) سید عنایت علی رضوی نازش لاہوری ۔ شیخ محمد احمد نازش پرتاب گڑھی
عبد الستار خاں ناسق شیر کوٹی ۔ محمد حسین ناظر اکبر آبادی ۔ محمد ناظر ناظر اکبر آبادی
ناظم چکدہنوی ۔ ماسٹر سید حامد علی خان ناقد ٹونکی ۔ عبد المجید خان
نایاب اکبر آبادی ۔ ماسٹر نثار حسین نثار اٹاوی ۔ عبد الحمید نثار مہوبہ
عبد الرزاق الٰہی بخش نثار عدنی ۔ اصغر علی قریشی نثار لاہوری ۔ نذیر احمد
نذیر شیر کوٹی ۔ عابدہ جمال نادم (زوجہ جمال صابری) نسرین متھراوی
حبیب احمد نسیم متھراوی ۔ مسرت جہاں (دختر حکیم ماہر اکبر آبادی)
نسیمہ اکبر آبادی ۔ اعجاز محمد نشتر اکبر آبادی ۔ بابو ہر گوبند دیال وکیل نشتہ
ہنگامی ۔ سید علی نظامی مالوہ ۔ منشی امیر الدین وارثی نظر اکبر آبادی
نور محمد خاں نکہت اکبر آبادی ۔ محمد نور نور اکبر آبادی ۔ نور الحق نور بجنوری
محمد یعقوب نیر جہلمی ۔ مصطفےٰ الحسین نیر کانپوری سید یوسف پیر
نیر کھیمی ۔ نشاط سعید نشاط النفادری ۔

(۲۸)

(و) صاحبزادہ متین اللہ خاں واثق ٹونکی ۔ محمد ظہیر واسطی
اکبر آبادی ۔ انصار الحق وجدی الہ آبادی ۔ سید عابد الحسینی
وجدی بھوپالی ۔ کنور عبد الوحید خاں وحید اترولوی ۔ شنکر لال
رعنا اکبر آبادی محمد عثمان خاں وفا جبلپوری ۔ شفیع احمد

وفا متھراوی (۱۸)

ی ۔ حسن یاور نقوی بخاری یاور لکھنوی ۔ ماسٹر یونس علی خاں یونس اجھانوی (۲)

کل تعداد ۳۷۵

ضمیمہ ۴

فہرست مضامین متعلق بہ سیماب

یہ فہرست بھی نامکمل ہے کیونکہ ایسے مضامین جو شاعر، کنول اور شاہکار گورکھپور کے علاوہ دوسرے پرچوں میں شائع ہوئے ہیں وہ یہاں درج نہیں کیے گئے۔

۱۔ اقبال سیماب اور ظفر علی خاں — زرینہ ثانی — شاعر ۱۹۶۸ء شمارہ ۵

۲۔ سیمابؔ اکبر آبادی — ڈاکٹر منوہر سہائے انور — شاعر جلد ۳۱ شمارہ ۱۰، ۵

۳۔ سیماب کے فنی نظریات — ڈاکٹر اسلم فرخی — شاعر ۱۹۶۶ء شمارہ ۵، ۲۰

۴۔ علامہ سیماب میری یادوں کے آئینہ میں — علیم اختر — شاعر ۱۹۶۶ء شمارہ ۵، ۱۰

۵۔ سلسلۂ سیمابیہ اور خدمتِ اردو — الم مظفر نگری — شاعر دسمبر ۱۹۴۱ء

۶۔ سیماب کی بعض شاعرانہ خصوصیات — حیدر رضا بدایونی — شاعر ستمبر ۱۹۴۲ء

۷۔ فکرِ سیماب اور فکرِ وطن — احمد مجتبیٰ حسن — شاعر ستمبر ۱۹۵۱ء

۸۔ یادش بخیر — راز چاندپوری — شاعر اپریل ۱۹۵۴ء

۹۔ علامہ سیمابؔ اکبر آبادی — اقبال ماہر الہ آبادی — شاعر جلد ۳۱۔ شمارہ ۳، ۴

۱۰۔ نثرِ سیماب — مناظر عاشق ہرگانوی — شاعر ۱۹۶۶ء، شمارہ ۳، ۵

۱۱۔ مولانا سیماب اکبر آبادی کا طریقہ اصلاح — ارشد صدیقی — شاعر دسمبر ۱۹۷۰ء

۱۲۔ سیماب کا جذبۂ انقلاب آزادی	عبدالصمد خانہ پوری	شاعر ۱۹۶۷ شمارہ ۴
۱۳۔ سیماب اکبرآبادی	کیلاش ورما شائق	شاعر جولائی اگست ۴۴ء
۱۴۔ سیماب کے یہاں ہیئتی تجربے	ڈاکٹر زرینہ ثانی	شاعر ۱۹۶۶ء شمارہ ۱
۱۵۔ سیماب اکبرآبادی ایک شاعر ایک انجمن	سید سعید احمد	شاعر ۱۹۶۶ء شمارہ ۹
۱۶۔ کلیم عجم اور درس بیخودی	الم مظفر نگری	کنول اگست ۱۹۳۶ء
۱۷۔ مولانا سیماب کی شاعری	حکیم عارف بلگرامی	شاہکار گورکھپور جولائی ۱۹۳۸ء

ان کے علاوہ شاعر آگرہ (کارامروز نمبر ۱۹۳۶ء) شاعر آگرہ (آگرہ) سکول نمبر ۱۹۳۷ء، شاعر بمبئی سیماب نمبر، احسن رامپور (سیماب نمبر) الوارث بمبئی (سیماب نمبر) پرچم کراچی (تعزیت نمبر) اور ماہنامہ سیماب دہلی (سیماب نمبر) میں متعدد مضامین سیماب کے تعلق سے موجود ہیں۔

ضمیمہ ۵

امدادی کتب و رسائل

کتابیں

۱- کارِ امروز از سیماب اکبرآبادی

۲- کلیمِ عجم از سیماب اکبرآبادی

۳- داستانے چند از راز چاندپوری

۴- اصلاح الاصلاح از آبر احسنی

۵- خمخانۂ جاوید جلد چہارم از لالہ سری رام

۶- لمعاتِ افق از منوّر لکھنوی

۷- باقیاتِ بجنوری از عبدالرحمٰن بجنوری

۸- سیماب بنامِ ضیا از ضیا فتح آبادی

۹- روحِ مکاتیب از ساغر نظامی

۱۰- جوش ملسیانی (ابھینندن گرنتھ)

۱۱- منتخب افسانے جلد اول
اردو مرکز لاہور

۱۲- سیماب کی نظمیہ شاعری
از ڈاکٹر زرینہ ثانی

رسائل

۱- شاعر آگرہ کے فائل
(۱۹۳۰ تا ۱۹۵۰ء)

۲- شاعر بمبئی کے فائل
(۱۹۵۱ء تا ۱۹۸۳ء)

۳- پرچم کراچی کے فائل

۴- ماہنامہ سیماب دہلی کا فائل ۱۹۵۱ء

۵- نقوش لاہور

۶- الوارث بمبئی سیماب نمبر ۱۹۴۹ء

۷- داستان لاہور نوجوان شاعر نمبر ۱۹۴۰ء

۸- رسالہ صوفی جولائی ۱۹۳۳ء

۹- ہماری زبان مئی ۱۹۶۸ء

۱۰- شیرازہ سری نگر جون جولائی ۱۹۸۱ء

۱۱- ماہی تحریر دہلی کا فائل

۱۲- احسن رامپور سیماب نمبر